

سہ ماہی

تکمیل الایمان

تصنیف لطیف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

— حواشی —

ایضاً حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرثیہ

— ترتیب و ترجمہ —

پیرزادہ غلامہ اقبال احمد قادری صاحب

دار الکتب العلمیہ
کتاب نمبر 291
11

مکتبہ نمبر ۱۰ گنج بخش روڈ لاہور

تکمیل ایمان

تصنیف و تالیف:

رئیس المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تعلیقات و حواشی:

امام اہلسنت اعلیٰ مراتب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب دہلوی سید العزیز

ترتیب و توجہ:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی - ایم۔ اے

ناشر:

مکتبہ نبویہ ماہی گنج بخش روڈ لاہور

- نام کتاب : تکمیل الایمان
- مصنف : شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- حواشی : اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
- مرتب : پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ایم۔ اے
- دیباچہ : ابوالبیان مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہ
- کتابت آفسٹ : محمد یوسف کاتب کیلانی
- طباعت : چٹان پریس مسعود پینٹر لاہور
- تعداد : ایک ہزار ۱۰۰۰
- تاریخ اشاعت : جنوری ۱۹۸۰ء

قیمت
۱۲۱

موضوعات و مضامین

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|-------|---|------|-----------------------------|
| ۲۶ | عالم جمیع معلومات - | ۸ | حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ - |
| ۲۷ | حاکم بلا شرکت غیر سے - | ۹ | مقاصد - اعتقادی خدمات - |
| ۲۸ | حسن و قبح کیا ہے؟ | ۱۸ | اشیاء کی حقیقتیں - |
| ۲۸ | ملائکہ | " | عالم عارضی ہے - |
| ۲۱-۲۹ | فرشتوں کی پیدائش پر اعلیٰ حضرت { بریلوی کے حواشی - | ۱۹ | عالم فانی ہے - |
| ۳۲ | جبرائیل علیہ السلام - | " | عالم کا خالق ہے - |
| ۳۷ | میکائیل علیہ السلام - | " | وہ قدیم ہے - |
| ۳۹ | اسرافیل علیہ السلام - | ۲۰ | وہ واحد ہے - |
| ۴۲ | عزرائیل علیہ السلام - | | (وسیع) (حادث) |
| " | فرشتوں کے مقامات - | ۲۱ | قیامت کے دن دیدار خداوندی - |
| " | اللہ کے اطاعت گزار - | ۲۲ | فرشتوں کو دیدار الہی - |
| " | الہامی کتابیں - | ۲۲ | قیامت کو دیدار الہی - |
| ۴۳ | شہر آن پاک - | ۲۲ | موتوں کو دیدار الہی - |
| ۴۳ | متقین کی ہدایت - | ۲۳ | جہان میں دیدار الہی - |
| | | ۲۴ | خالق جمیع اشیاء - |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|---------|--|---------|---|
| ۸۵ - ۷۸ | فاضل بریلوی کے حواشی - | ۴۳ | اسمائے الٰہی - |
| ۸۷ | مقامات شفاعت - | ۴۴ | نناوے نام |
| ۸۹ | اعراف - | ۴۵ | افعال اختیاری |
| ۹۰ | قیامت کے متعلقات | ۴۲ - ۴۶ | مسئلہ جبر و قدر پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حواشی - |
| ۹۱ | ایمان بالقلب و تصدیق بالایمان - | | |
| ۹۲ | یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی جاتے تھے - | ۵۲ | مسئلہ جبر و قدر اور علمائے اہل سنت |
| | | ۶۳ | بندوں کے افعال - |
| ۹۳ | ایمان اور اسلام - | ۶۳ | قضا و قدر پر ایمان - |
| ۹۴ | اقرار ایمان بہ لفظ ان شاء اللہ - | ۶۴ | ہدایت و گمراہی اور مشیت ایزدی - |
| " | ایمان بالجبر - | ۶۴ | ہدایت کے معنی - |
| ۹۵ | ایمان و توبہ باس - (دقت) | ۶۵ | عذاب قبر - |
| ۹۷ | فرعون کا ایمان - | ۶۶ | اطفال مومنین سے سوال - |
| ۹۸ | حضرت آسیہ - | ۶۷ | اطفال مشرکین سے سوال - |
| " | فرعون اور ابوجہل - | ۶۸ | موت کے بعد زندگی - |
| ۹۹ | ابن عربی اور فرعون کا ایمان - | ۶۹ | قیامت کیا ہے ؟ |
| ۱۰۱ | شیخ ابن حجر مکی کی رائے - | ۶۹ | میزان عدل - |
| ۱۰۳ | گناہ کبیرہ سے ایمان ساقط نہیں ہوتا - | ۷۲ | اعمال نامے - |
| ۱۰۳ | گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ - | ۷۳ | سوالات استفسارات - |
| ۱۰۴ | خارجی اور معتزلہ کا استدلال - | ۷۵ | حوض کوثر - |
| ۱۰۶ | گناہ کے اثرات - | ۷۶ | پہل صراط - |
| " | اہل کباثر دوزخی ہیں - | ۷۷ | شفاعت رسول خدا - |
| ۱۰۷ | مشرک ابدی دوزخی ہیں - | | مسئلہ شفاعت پر اعلیٰ حضرت |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|---|------|---------------------------------|
| ۱۳۷ | تمام مخلوقات کے نبی - | ۱۰۷ | عذاب و مغفرت - |
| ۱۳۸ | معراج بیداری کے عالم میں - | ۱۰۸ | گناہ صغیرہ پر سزائیں - |
| ۱۳۸ | حاشیہ اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی تفصیل معراج - | ۱۰۹ | اللہ کے رسول - |
| ۱۴۵ | سیدنا صدیق اکبرؓ کا ایمان - | ۱۱۰ | معجزات انبیاء و تائید الہی - |
| ۱۴۸ | امت محمدیہ کی فضیلت - | ۱۱۱ | معجزہ کیا ہے - |
| ۱۴۹ | شریعت محمدیہ اعلیٰ ترین شریعت | " | اول الانبیاء و خاتم الانبیاء - |
| ۱۵۰ | صحابہ کرامؓ کی فضیلت - | ۱۱۲ | انبیاء کی تعداد - |
| ۱۵۱ | صحابہ کرامؓ کی افضلیت - | " | ذوالقرنین کی نبوت - |
| ۱۵۲ | خلفائے اربعہ - | ۱۱۳ | حضرت لقمان کی نبوت - |
| ۱۵۳ | خلفائے اربعہ کی فضیلت - | ۱۱۴ | حضرت خضر علیہ السلام - |
| ۱۵۵ | حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ | ۱۱۵ | عورتوں کی نبوت - |
| ۱۶۴ | حضرت صدیق اور حضرت عثمانؓ | " | عصمت انبیاء - |
| ۱۶۵ | حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ | ۱۱۶ | انبیاء کی لغزشیں - |
| ۱۶۶ | علمائے کرام کی رائیں - | " | انبیاء کی ابدی زندگی - |
| ۱۶۸ | حضرت علیؓ کا تقیہ ؟ | " | شریعت و نبوت |
| ۱۶۹ | عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم - | ۱۱۷ | قبور سے استعانت - |
| ۱۷۱ | اہل بدر - | ۱۱۸ | اعلیٰ حضرت کا حاشیہ - |
| ۱۷۴ | اہل احد - | ۱۲۴ | ولایت کے معانی - |
| ۱۷۶ | اہل بیعت رضوان - | ۱۳۰ | چار اولیاء قبروں میں زندہ ہیں - |
| ۱۷۳ | حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا - | ۱۳۴ | افضل الانبیاء - |
| " | حضرت فاطمہ اور اہل بیت - | " | شہرآن کا ایک معجزہ - |
| ۱۷۵ | خلافت - | ۱۳۵ | شہرآن کا اعجاز - |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|---------|---------------------------|------|----------------------------------|
| ۱۸۷-۱۹۳ | حاشیہ - | ۱۷۶ | مسک اہل سنت و جماعت - |
| ۱۹۲ | قبولیت دعاء - | ۱۷۷ | حضرت معاویہ کا انجام - |
| ۱۹۳ | قبولیت دعاء کی شرط - | ۱۷۸ | یزید کا حشر - |
| ۱۹۵ | فاسق کی قیادت - | ۱۸۰ | مجتہد کا مقام - |
| " | موزوں پر صبح - | ۱۸۰ | اہل قبلہ کی تکفیر - |
| " | سنیوں کی تین علامتیں - | ۱۸۱ | رسول ملائکہ سے افضل ہیں - |
| ۱۹۶ | گناہ پر فخر - | ۱۸۲ | اولیاء کا مقام - |
| " | شریعت سے تمسخر - | ۱۸۳ | مقامات انبیاء و اولیاء - |
| " | مذاقاً اقرار کرنا - | ۱۸۵ | مقام عبدیت - |
| " | نشہ میں کلمات کفر - | " | آیات و حدیث کی حجیت - |
| ۱۹۷ | کاہن اور نجومی کی حیثیت - | ۱۸۷ | زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ - |
| " | امیدوار رحمت الہی - | " | اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی رائے - |

خاتمہ کتاب ۱۹۸

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصد — اعتقادی خدمات اور — اثرات

ریشات خامہ ابوابیان مولینا غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہ

دسویں صدی ہجری کی مختلف مذہبی تحریکوں کے افکار و نظریات کا تجزیہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس دور کا سب سے اہم مسئلہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا تھا۔ حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصور امام، عقیدہ مدویت، نظریہ الفی اور دین الہی کی نظریاتی تحریکیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص مقام و مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح بڑے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ ان حالات میں شیخ محدث دہلوی نے نظریاتی نکھار کے لیے جو کام کیا، وہ آپ کی بے شمار علمی اور روحانی خدمات میں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فخر و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور ارفع مقام کی پوری طرح توضیح فرمائی۔ اور عظمت مصطفیٰ کے خلاف ہر آواز پر شدید تنقید کی۔ یہ حضرت شیخ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمارے دور پر فتنہ میں بھی جب کہ ہر طرف سے لحدین اور دوسرے بد عقیدہ شان رسالت کی تنقیص میں ناپاک کوششیں کر رہے ہیں شیخ کے فرمودات و نگارشات دنیا سے اسلام کے جو یاٹے مٹنے لوگوں کو مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں۔

حضرت شیخ کی زیر نظر تالیف ”تکمیل الایمان“ اسی سلسلہ میں علم عقائد ہی کی ایک معتد اور مستند مگر مختصر کتاب ہے۔ ہم نہایت انحصار کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کریں گے جس سے یہ ذہن نشین ہو جائے گا کہ اس اہم کتاب کے مطالعہ کی افادیت کے وہ کون سے پہلو ہیں جو قاری کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ نیز شیخ کن نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اعتقادی طور پر عصر حاضر کا اہم مسئلہ مقام رسالت اور عظمت مصطفیٰ کا تعین ہے شیخ نے اس مسئلہ کو جس بصیرت اور علمی کمال سے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس سے شیخ کے عقائد و نظریات واضح ہوتے ہیں۔ یہ مقصد صرف تکمیل الایمان سے ہی نہیں بلکہ آپ کی دوسری تصانیف سے بھی پورا ہوتا ہے۔

دیباچہ اخبار الاخبار میں یوں رقمطراز ہیں:

”ہمچنانکہ شکر و سپاس خالق موجودات از حیثہ امکان و احاطہ انسان بیرون است۔ مدح و ثنائے سید کائنات از مجال شرح و بیان افزوں و ہرچہ بر مرتبہ احدیت متعین است بحقیقت محمدیہ آن مرامعین است۔ و آنچه جز مرتبہ ذات احد بہم صفات احمد آزا بیش و ہرچہ از انوار علوی و سفلی ظاہر است ہمہ از پر تو نور آن اجل مظاہر است۔“

حق را بچشم اگر چه ندیدند لیکنش
از دیدن جمال محمد شناختند“

پھر اس کے بعد بارگاہ رسالت میں اپنی عقیدت کے موتی یوں منظوم فرماتے ہیں:

”خیر الوری۔ امام رسل۔ منظر اتم
او جان جملہ عالم و حق جان جان شمار
حق را بغیر واسطہ ذات او محو“

پھر اسی دیباچہ میں مقام رسالت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

و در اول باعث خلقت عالم ست و در آخر واسطہ ہدایت بنی آدم۔ در باطن مرتبی ارواح و در ظاہر مستم اشباح۔ کاسرار کان ادیان و دول ناسخ احکام مل و نخل۔ قصر خاتم وجود نصر معرفت و شہود مقصود و متکفان مقصورہ افلاک، مقصد سالکان معمورہ خاک، منتہم مکارم اخلاق، مکمل کمالین آفاق۔ حاجز منزلیں وجود و عدم بر ذریع بحرین حدوت و قدیم۔ جامع نسخہ امکان و وجوب، رابطہ طالب و مطلوب۔ عزیز مصر صمدیت، ملک مملکت احدیت، منظر حقیقت فردانیت، منظر صورت رحمانیت۔ تیر مکتوم غیب لاہوت، طلسم معلوم کج بحدوت۔ مبروج

ارواح ملکوتیہ، مزین اشباح، تا سوتیہ، بدایت خط ولایت، نہایت دائرہ نبوت،
منظر اتم، رحمت اعم، عقل اول، ترجمان ازل، نور الانوار، سراسر ارہادی سل،
سید رسل، نور اللہی، ستر الہی، حبیب اعلیٰ، صفیٰ صغیٰ، محمد مسطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم

سید رسل، شفیع اعم، خواجہ دو کون نور ہدیٰ حبیب خدا سید انام
مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل منظور نور اوست دگر جلگی ظلام!
ہر ربیبہ کہ بود در امکان بروست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

مدارج النبوت شریف جلد اول کے دیباچہ میں یوں فرماتے ہیں:

”هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَدِيمٌ۔ ایں کلمات
اعجاز سات ہمہ مشتمل بر حمد و ثنائے الہی است۔ تعالیٰ و تقدس کہ در کتاب مجید
خلیئہ کبریائی خود بدان خواندہ۔ و ہم متضمن نعمت و وصف حضرت رسالت پناہی
صلی اللہ علیہ وسلم کہ و سے سبحانہ اور بدان تسمیہ تو صیغہ نمودہ و چندیں اسمائے حسنی
جل شانہ است کہ در وحی متلو و غیر متلو حبیب خود را بدان نامیدہ و جلید جمال و
علی کمال و سے ساختہ۔ اگرچہ آں صلی اللہ علیہ وسلم تمامہ اسماء و صفات الہی
متخلق و متصف است با وجود آں بہ بعضی ازاں بخصوص نامزد و نامور گشتہ است
مثل نور حق، علیم، حکیم، مؤمن، مہین، ولی، ہادی، رؤف، رحیم و جز آں و ایں
چار اسم اول و آخر، ظاہر و باطن نیز ازاں قبیل است“

ان چار اسمائے ظاہر و باطن، اول و آخر کی تشریح فرما کہ تحریر فرماتے ہیں:

وہو بکل شئی و علیم و و سے صلی اللہ علیہ وسلم و اناست بر ہمہ چیز از شیونات
ذات الہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و جمیع علوم ظاہر و باطن اول
و آخر احاطہ نمودہ و مصداق و فوق کل ذی علم علیم شدہ۔ علیہ من الصلوٰۃ و
افضلہا و من التبیات اتہا و اکملہا۔“

میں یوں گویا ہیں:

”در بعضے کلام بعضے عرفا واقف شدہ کہ خطاب از مصلی بملاحظہ شہود روح مقدس
آنحضرت و سر بیان و سے در ذرارے موجودات مخصوص در ارواح مصیبن ست و بالجملہ
دریں حالت از شہود و وجود و حضور از آنحضرت غافل و ذایل نباید بود؛ بامید ورود
فیوض از روح پرفیوض و سے صلی اللہ علیہ وسلم“

اشعة اللغات جلد اول صفحہ ۴۵۱ ملاحظہ ہو:

”پس آنحضرت در ذات مصیباں موجود و حاضر است پس مصلی (نمازی و درود خواں)
نہ باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد“

وسعت اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خیالات ملاحظہ فرمائیں:

”وازا بجملة آنست کہ آنحضرت تخصیص می کرد ہر کرا ہر چہ می خواست از احکام این جادو
قول است یکے آنکہ احکام مفوض بود بوسے صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد حکم کند۔ دوم آنکہ
ہر حکمے وحی خدای شد چنانکہ تخصیص کرد ختمیمہ بن ثابت را بآنکہ شہادت و سے حکم دو
شہادت وارد“

”و سے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ مطلق و نائب کل جناب اقدس است می کند

ومی و ہر چہ خواہد باذن و سے

فان من جودك الدنيا و ضررتها

و من علومك علم اللوح و القلم

جزاء الله عنا خيرا الجزاء“

اشعة اللغات ج ۱ ص ۱۳۵ پر مشہور حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں:
”از اطلاق سوال کہ بفرمود سئل۔ بخواہ۔ و تخصیص نہ کرد و مطلوبے خاص معلوم می شود
کہ کار جمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہر چہ خواہد و ہر چہ خواہد
باذن پروردگار خود بدہد“

پھر قصیدہ بردہ شریف کا اوپر والا بیت نقل فرماتے ہیں: فان من جودك الدنيا الخ

اگر خیریت دنیا و عقیقی آرزو داری بدرگاہش یا ڈبرچہ میخوای تمنا کن
 بہ صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما بلطف خود سر و سامان جمع بے سُرپا کن

وسعت علوم نبویہ پر قلم اٹھاتے ہوئے شیخ کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

شرح مشکوٰۃ شریف فارسی ج ۱ ص ۳۳۳۔ حدیث معراج منامی کی شرح پر حضور علیہ السلام
 کے اس ارشاد گرامی (فعلمت ما فی السموات والارض) کے ماتحت فرماتے ہیں:

”پس دانستم ہرچہ در آسمانها و ہرچہ در زمین بود۔ عبارت است از حصول تمامہ علوم

جزوی و کلی و احاطہ آن“

سج جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ پر حضور علیہ السلام کے فضائل بیان کرتے ہوئے رقم پذیر ہیں:

”وازا بجلد آن ست کہ ہرچہ در دنیا ست از زمان آدم تا اوان نفع اولی بروئے منکشف

ساختند تا ہمہ احوال را از اول تا آخر معلوم کرد و باران خود را نیز از بعضے ازاں احوال

خبر داد۔“

حیات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے متعلق شیخ کے اعتقادات ملاحظہ ہوں:

”باید دانست کہ خلاف در غیر انبیاست صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کہ ایشان

احیاء اند بحیات حقیقی دنیاوی بانفاق و اولیاء بحیات اخروی معنوی۔“ شرح مشکوٰۃ،

ج ۱ ص ۴۰۲

پہم مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۴۴ پر فرماتے ہیں:

”بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میاں علماء ملت

و پیچ کس را خلاف نیست در آن کہ آں کال تر قوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین

فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی اخروی است و حیات انبیاء حیات حسی دنیاوی ست

و احادیث و آثار در آن واقع شدہ۔“

حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کا حاضر و ناظر ہونا شیخ کے نظریات میں یوں تھا:

”پوشیدہ نماند کہ بعد از اثبات حیات حقیقی حسی دنیاوی اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ

جسد شریف را حالتی و قدرتی بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشید

خواہ بعینہ یا بامثال خواہ برآسمان یا بر زمین و خواہ در قبر شریف یا غیر سے۔ نیز

صورتے وارد باوجود نسبت خاص بقبر در ہمہ حال۔ (مدارج ج ۲ ص ۲۵۰)

اور اپنے مکتوب شریف ”سلوک اقرب السبل بالتوجه الی سیدالرسول علی ہامس اخبار الاخبار“
صفحہ ۱۶۱ میں لکھتے ہیں:

”باچندیں اخلاقات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت ست یک کس را دریں

مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحقیقت حیات بے ثابہ

مجاز و توہم تاویل دائم و باقی ست و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مطالبان

حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی ست“

توسل و استمداد پر شیخ کے اعتقاد و نظریہ پر ذیل کی عبارت شاہد عادل ہے:

”حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ لکھتے ہر کہ استمداد کردہ شود بوسے در حیات، استمداد

کردہ میشود بوسے بعد از وفات“

پھر اسی مسئلہ کو ذرا تفصیل سے تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وایت شعری چہ می خواہند ایشان با استمداد و امداد کہ این فرقہ منکرند آنرا آنچه

می فہمید ازاں این است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ و عامی کند خدا و طلب می کند

حاجت خود را از جناب عزت و عنائے وے و توسل می کند بروحانیت این بندہ

مقرب و مکرم در درگاہ عزت وے یا ندای کند این بندہ مکرم و مقرب را

کہ اے بندہ خدا اے ولی وے! شفاعت کنی مرا و بخواد از خدا کہ بدہ مسئلہ و

مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا“

”بدانکہ این حدیث صحیح متفق علیہ صریح است در ثبوت سماع مرآت را و حصول

علم مرایشان را با آنچه خطاب کردہ می شوند“

۱ اشعۃ اللمعات، جلد اول، صفحہ ۷۱۵

۲ اشعۃ اللمعات، جلد سوم، صفحہ ۲۰۱

۳ اشعۃ اللمعات، جلد سوم، صفحہ ۳۹۹

نماز کے بعد ذکر جہر مشروع ہے۔ اور اشعة اللمعات ج ۱ کے صفحہ ۳۱۸ میں باب الذکر بعد

الصلوة کے ماتحت فرماتے ہیں:

”بدانکہ جہر بذكر مطلقاً و بعد از نماز مشروع است و ارد شده است دروے احادیث

دریں حدیث دلیل است بر مشروعیت جہر بذكر و آن ثابت است بے شبہ لیکن نخصی

افضل است در غیر آنچه وارد است دروے جہر“

اس ضمن میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک فتویٰ متعلق بذكر جہر کی نقل فارین

کے لیے مفید ہوگی:

”دیگر حقیقت ذکر جہر و حق آن است کہ انکار آن سفاہت واضح است در تلاوت

قرآن جہر متزیح است۔ ما اذن الله لشيء ما اذن یعنی تعنی بالقرآن بجمہریت:

و در تلبیہ حج آمدہ افضل الحج الفج والتبج ای رفع الصوت بالتلبیة و

اراقۃ الدم و قرآن را فضیلت معروف است و کنا عرف انقضاء صلوة

رسول الله صلی الله علیہ وسلم بالذکر و فضل الذکر الذی یسمعه الحفظۃ

علی الذی لا یسمعه الحفظۃ بسبعین ضعفاً و بنائے طریقہ چشتیہ و

اویسیہ و قادریہ کہ ہمہ پیران ما اند بر ذکر جہر است..... ذکر جہر موجب جمعیتے است

است کہ بالاترازاں جمعیتے نیست“ (فتاویٰ عزیز یہ - صفحہ ۱۷۰)

حضرت شیخ محقق جد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار شریف میں ہندستان

کے اکابر اور مشاہیر صوفیہ کا ذکر اپنے ایک مخصوص اور فاضلانہ انداز میں نہایت ہی رنگین اور شیریں

بیانی کے ساتھ فرمایا ہے۔ مگر سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے ان کو جو بے پناہ عقیدت تھی

اس کا اظہار ان تالیفات شریفہ میں عجیب انداز سے فرمایا ہے۔ اخبار الاخیار کے خاتمہ میں اپنے

حالات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر دیگران قطب اندا و قطب الاقطاب است، و اگر ایشاں سلاطین او سلطان

السلاطین۔ محی الدین کہ دین اسلام زندہ گردانید۔ ملت کفر را بمیرانید کہ ایشیخ

-یحییٰ و نمیت۔ زہے مرتبہ کہ ایجا دین از محی قیوم است و ایجا ازوے۔

غوث الثقلین آرا گویند کہ جن واقس ہمہ بوسے پناہ جو بند من بکیں نیز پناہ با وجہ تہ ام۔
و بردر گاہ اوقارہ۔ مراجز عنایت او کس نیست و بغیر لطف او فریاد رس نے۔

اس کے بعد نظم میں عقیدت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اوست در جملہ اولیا ممتاز چوں پمیر در انبیا ممتاز

غوث پاک کی مشہور تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ فرمایا ہے مگر شرح میں اپنا الگ مقدمہ
یا نام نہیں لکھا۔ یہ بارگاہِ غوثیت میں کمال ادب تھا۔ فرماتے ہیں:

”ذکر نام این حقیر خود چہ حد و مجال کہ درین مقام توان برد“

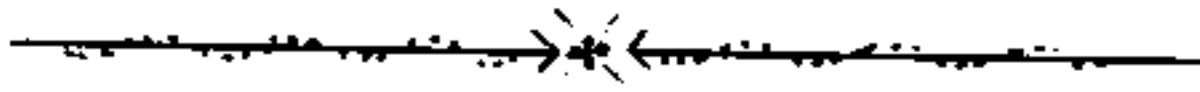
ان اقتباسات کی روشنی میں ہمیں اس نتیجہ پر پہنچتے ذرا دقت نہیں ہوگی کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ
علیہ نے اکبری دورِ الحاد میں مقامِ مسطفیٰ اور عقائد اہل سنت کی صحیح ترجمانی میں کتنا بڑا کام کیا ہے۔
آپ نے احادیث، فقہ، سیر، تسووف، لغت، غرضیکہ تمام علوم میں کتابیں لکھیں، جو مقبول بارگاہ
صمدیت اور منظور بارگاہ رسالت ہونے کے ساتھ ساتھ قبولیتِ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب
ہوئیں۔ آپ نے ہر نقطہ نظر سے عقائد کے نکھار اور سنوار کا کام کیا۔ یہ شیخ ہی کی دینی کوششوں کا
ثمرہ ہے کہ مغل اعظم کی بے راہ روی اور الحاد و بے دینی کے علی الرغم پاک و ہند میں اسلام کی بنیادیں
مضبوط رہیں، اور اسی مغلیہ خاندان کے چشم و چراغ شاہجہان اور اورنگ زیب کی شکل میں دین
کی خدمت میں وقف ہو گئے۔

زیر نظر کتاب تکمیل الایمان میں شیخ نے نہایت سادہ انداز میں عقائد کی ان موٹی موٹی باتوں
کو بیان کیا ہے جو ایک عام مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ ایسی کتاب کی بہت ضرورت تھی اور موجود
دور میں صحیح عقائد کی جستجو کرنے والے ذہن اسے مفید پائیں گے۔

فارسی شناسی اور ذوقِ فارسی اب قریباً قریباً ختم ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے
فاضل نوجوان علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی ایم اے نے اس مفید کتاب کو اردو لباس
پننا کر پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے مطالعہ کی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ علامہ صاحب اپنی
محنت پر اس بات پر مزید مستحکم مبارک ہیں کہ انہوں نے شیخ کے خیالات کو مجددانہ حاضرہ
امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی سے جوید

رکے اہل علم کے لیے دلائل و براہین کا ایک بے پناہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ میری نظر میں اب یہ کتاب صرف عام قاری کے مطالعہ کے لیے ہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر حواشی کی وجہ سے علمائے کرام کے مطالعہ کے لیے بھی ضروری اور مفید ہو گئی ہے۔ مرتب کی اس کوشش نے اس کتاب کو پاک و ہند کی دو عظیم سنی اعتقادی شخصیتوں کے خیالات کو یکجا جمع کر کے ایک امتیازی اور انفرادی حیثیت دے دی ہے۔

شیخ نے اکبری دور کی بداعتقادی اور اس زمانہ کے نظریاتی فتنوں کے خلاف اہل سنت کو محفوظ رکھنے میں جہاد کیا، اعلیٰ حضرت بریلوی نے دورِ حاضرہ کے طوفانوں کا مقابلہ کیا۔ ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا یکجا جمع ہونا ہمارے لیے باعثِ فخر ہے۔ اندرین حالات مجھے اہل علم سے یہ التماس کرتے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس اہم اور مفید ایڈیشن کو اپنے ذاتی کتب خانہ میں رکھیں، مطالعہ کریں، اور اجاب کو اس کے مطالعہ کی سفارش کریں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
 سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیْنَ مُحَمَّدٍ
 وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اٰجْمَعِیْنَ

فقیر حقیر اصغف العباد اللہ القوی الباری عبد الحق بن سیف الدین المرکز
 الدہلوی البخاری معروض ہے کہ یہ کتاب مسیحی بہکمیل الایمان و تقویۃ الایقان "عمائد
 اسلام اور مسلک اہلسنت و جماعت کے قواعد پر مشتمل ہے۔ یہ بہترین فوائد لطیف
 معانی کا خزانہ ہے۔ کلام کی وضاحت اور مطالب کی تشریح اس انداز سے کی
 گئی ہے جس سے اللہ نے چاہا تو دلوں پر اثر ہوگا اور نظر و قلب نور یقین سے
 منور ہو جائیں گے۔ اسے ہر مومن جس کے دل میں طلب صادق ہے کے لئے لکھا گیا
 ہے۔ میں نے اس میں نہایت اختصار کے ساتھ صحیح مذاہب کو ثابت کرنے کی کوشش
 کی ہے اور صحیح اقوال کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے میں نے مذاہب باطلہ سے کچھ
 تعرض نہیں کیا اور نہ ہی اقوال باطلہ پر بحث کی ہے۔ میں نے انتہائی کوشش
 کی ہے کہ بحث و استدلال اور قبیل و قال کی الجھنوں سے دور رہ کر اظہار مدعا
 کیا جائے۔ میں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ علم کلام کے دلائل اور فلسفیانہ

موت کا فیور سے طالبِ حق کو تذبذب و حیرت کا سامنا کرنا پڑے اور اسے حصولِ مطلب اور وصولِ مقصد میں دشواری نہ ہو۔ اللہ ہی توفیق کا مالک اور اس کے ہاتھ میں تحقیق کی توفیق ہے۔

— اشیاء کی حقیقتیں :

تمام چیزوں کی حقیقتیں واضح اور ثابت ہیں۔ تمام عقائد اور احکام کی بنیاد صرف اس عقیدے پر ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں۔ اور محض وہم و خیال پر بھی دائرہ مدار نہیں رکھتیں جس طرح کہ پانی حقیقت میں پانی ہے اور آگ حقیقت میں آگ ہی ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ آگ کو پانی تصور کر لیا جائے یا پانی کو آگ پر معمول کر لیا جائے تو اس وہم عقیدہ یا خیال سے ان اشیاء کی حقیقتیں بدل جائیں گی۔ اگر ہم گرم کو سرد کہنے لگیں یا سرد کو گرم کہنے لگیں تو گرم چیز سرد اور سرد گرم نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔ ان کو سفسطائی کہتے ہیں۔ یہ بات عقل اور شرع کے لحاظ سے ہر طرح غلط اور بہودہ سے کوئی عقل والا یہ نہیں کہے گا کہ پانی اور آگ کی حقیقت محض وہم و گمان ہے۔ اور اگر کچھ حقیقت ہے تو بس اعتقاد ہی کی بدولت ہے۔

ایک اور طبقہ ایسا ہے، جو سفسطائیوں کی طرح ہر چیز کی نسبت شک کرتا ہے کہ وہ موجود بھی ہے یا نہیں جتنی کہ انہیں اپنے آپ پر بھی شک رہتا ہے۔ یہ ان کا کلام نامعقول اور لاعینی ہے۔ ایسے لوگوں سے زبانی بحث و مناظرہ میں وقت ضائع کرنا بے نتیجہ ہوگا۔ ان کا تو بس ایک ہی علاج ہے کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے تاکہ انہیں آگ کی گرمی سے آگ کی حقیقت کا علم ہو جائے اور اگر جل مرے تو ایسے کج بحث لوگوں سے دنیا کو نجات مل جائیگی۔ اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

— عالم عارضی ہے۔

یہ عالم عارضی (حادث) ہے قدیم نہیں۔ ذاتِ حق یا اس کی صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے۔ ہر چیز عدم سے وجود میں آئی ہے اور قدیم نہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

كان الله ولم يكن معه
شيء
الله ازل میں موجود تھا اس کے ہمراہ
کوئی چیز نہیں تھی۔

عقلی دلیل یوں ہے کہ عالم تغیر و حوادث کا مقام ہے جو ایسا ہو قدیم نہیں ہو سکتا
کیونکہ قدیم تو کبھی تغیر پسند اور حوادث کا شکار نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی جملہ صفات ایسی ہی ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل کو کوئی گنجائش نہیں
اس کی شان بلند اور برہان قوی ہے۔

— عالم فانی ہے۔

عالم موجود ہونے کے بعد فنا پذیر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے :

كل شيء هالك الا وجهه
اسکے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے
فرشتے، بہشت اور دوزخ وغیرہ جن کے ہمیشہ رہنے کی خبریں احادیث میں آتی
ہیں۔ اس آیت کی روشنی میں وہ بھی فانی ہیں خواہ وہ ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہوں۔
خداوند تعالیٰ انہیں فنا کے بعد پھر دوامی زندگی دے گا یہ اس کا کرم اور قدرت ہے۔

— عالم کا خالق ہے۔

عالم کا کوئی نہ کوئی بنانے والا (خالق) ضرور ہے جس نے اسے معدوم سے موجود
بنایا۔ کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادث اسی کو کہتے ہیں کہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہو
لہذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے ایک قدیم ذات کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ
اگر حادث خود بخود رونما ہو سکتا تو اسے حادث نہیں بلکہ قدیم کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ علم ہمیشہ
سے نہیں تو اسے کسی نے معدوم سے موجود بنایا اور پیدا کیا ہے اور وہی اس کا خالق ہے

— وہ قدیم ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے۔ عالم کو پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہئے۔ اگر وہ حادث ہوگا
تو وہ عالم کی ایک مخلوق ہوگی۔ خالق نہیں ہو سکتا۔

اس کا وجود واجب ہے وہ بذات خود قائم ہے اسے کسی دوسری ذات کی محتاجی

نہیں ہے۔ کیونکہ غیر کا محتاج تو خدا ہونے کے لائق ہی نہیں۔ خدا کا معنی ہی خود موجود ہونے والا اور خود آئندہ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات تک منتهی ہو۔ جو خود موجود ہو ورنہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ اور یہ بات غیر معقول ہے۔

— وہ واحد ہے۔

وہ یکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ وہ بلاشبہ واحد اور یکتا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ جہان کا پیدا کرنے والا اور اس کے انتظام کو چلانے والا اس کے بغیر اور کوئی نہیں۔ وہ زندہ، دانا، قادر اور صاحب اختیار ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اسے کسی قسم کا جبر یا اضطراب نہیں ہوتا کیونکہ اتنے وسیلے جہان کا پیدا کرنا جس میں بڑی خوبی اور اتفاق پایا جاتا ہے۔ ان صفات کے بغیر ناممکن ہے۔ مردہ، جاہل اور غیر مختار ہستی ان انتظامات کو چلانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ یہ صفات کسی حد تک (حیات، علم و قدرت اور ارادہ) اس کی مخلوقات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اگر وہ ان صفات کو بدرجہ اتم نہ رکھتا تو اپنی مخلوقات کو ان صفات سے کیسے نوازتا۔ وہ متکلم، سمیع اور بصیر ہے۔ گونگا، بہرا خدا ناقص ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ اس کی صفات پر قرآن پاک گواہ ہے۔ ان صفات کو عقل اور قیاس نہیں پاسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا نمونہ حضرت انسان میں رکھا ہے جس سے کسی قدر اس کی صفات کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن فی الواقعہ انسانی صفات خدائی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں ہیں۔

اللہ کی صفتیں اس کی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔ اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم نہیں۔ اس کے کمالات ازل سے ثابت ہیں۔ کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے۔ جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہو سکتا۔

ولیس مجسمی۔ ولا جوہر۔ ولا عرض ولا مصور و مرکب ولا
معدود ولا محدود ولا فی جہۃ ولا فی المکان ولا فی الزمان
مندرجہ بالا تمام صفتیں تو عالم سے وابستہ ہیں۔ اور وہ عالم کی صفات پاک و مبرا

ہے۔ زمانہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ اسے احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کا وجود کسی زمانہ پر موقوف نہیں۔ جب زمانہ نہ تھا وہ موجود تھا وہ اب بھی موجود ہے اور اور جب زمانہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی موجود ہوگا۔ وہ زمانہ میں نہیں۔ لا مثل لہ، ولا شہد، ولا ضد ولا مدلول ولا ظہیر ولا معین ۰

وہ اپنے غیر سے مل کر ایک نہیں اور نہ کسی دوسرے میں حلول کرتا ہے۔ کیونکہ دو کا ایک ہونا محال ہے۔ دوئی ایک وحدت کی ضد ہے۔ غیر میں حلول تو جسم کی صفات میں سے ہے۔ مگر وہ جسم سے پاک ہے۔ وہ تمام صفات کمال سے منصف ہے۔ نقصان و زوال کی علامتوں سے پاک ہے۔ غرضیکہ جس قدر بھی بقا و کمال کی صفات پائی جاتی ہیں سب اس میں پائی جاتی ہیں۔ اور نقص و زوال کے تمام نشانات سے وہ مبرا ہے۔

قیامت کے دن دیدارِ خداوندی۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا حدیثِ پاک میں ہے۔

انکم سترون ربکم یوم
القیامۃ کما ترون القہر
لیلۃ البدر
تم عنقریب اپنے اللہ کو اس طرح
دیکھو گے۔ جس طرح چودھویں رات
کا چاند دکھائی دیتا ہے

اس حدیث میں شبیہ محض دیکھنے میں ہے۔ چاند اور ذاتِ باری تعالیٰ میں شبیہ نہیں ہے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے دیدار میں مقابلہ۔ مواجہہ اور قرب و بعد میں نہ ہوگا۔ اسی آنکھ کو قوتِ بصیرت عطا ہو جائے گی جو لوگ دیدارِ خداوندی کو دل کی آنکھ (حشیم بصیرت) سے دیکھتے ہیں وہ قیامت کے دن حشیم سر دیکھیں گے۔ عالمِ آخرت حقیقت کے ظاہر ہونے کا مقام ہے جو آج باطن ہے کل ظاہر ہوگا۔ جو آج پوشیدہ ہے وہ کل واضح ہوگا۔ شارعِ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔ ہاں اس کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

— فرشتوں کو دیدارِ الہی —

بعض کتابوں میں ایسا ہے اور یہ بات مشہور بھی کر دی گئی ہے کہ فرشتوں کو دیدارِ الہی نہیں ہوگا۔ صرف جبرئیل علیہ السلام کو اپنی ساری عمر میں ایک بار دیکھنے کا موقع ملے گا۔ جنات تو دیدارِ خداوندی سے بالکل محروم رہیں گے۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسائل میں تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ امام ابو الحسن اشعری نے جو اہل سنت و جماعت کے امام مانے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ فرشتوں کو بہشت میں دیدارِ الہی ہوگا۔ امام بیہقی نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ اپنی رائے کی تائید میں احادیث نقل کی ہیں۔ آئمہ متاخرین میں سے بھی بعض کا عقیدہ یہی ہے۔

— جنات کو دیدارِ الہی —

جنات کو دیدارِ الہی سے محرومی کو تو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ امام عظیم رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ کا ایک طبقہ اسی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ نہ انہیں ثواب حاصل ہوتا ہے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونگے۔ ان کی نیکیوں کا بدلہ صرف یہی ہے۔ کہ وہ دوزخ کی آگ سے نجات پائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انتہائی وسیع ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت عذاب سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اگرچہ یہ فضل و کرم (آدمیوں کی طرح) ہر روز اور ہر جمعہ کو نہیں ہوگا۔

— عورتوں کو دیدارِ الہی —

عورتوں کو دیدارِ الہی کے سلسلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ انہیں بھی کبھی کبھی دیدار ہوگا۔ جس طرح دنیا کے بعض خاص ایام مثلاً عید وغیرہ انہیں گاہے بگاہے دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا۔ انہیں خواص مومنین کی طرح صبح و شام اور عوام الناس کی طرح ہر جمعہ کے روز نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کسی احادیث آئی ہیں۔ مندرجہ بالا خیالات حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

عورتیں دراصل عوام مسلمانوں کے ضمن میں آتی ہیں۔ جس طرح کہ جن اور ملائکہ بھی اس

بشارت کے مستحق و امیدوار ہونگے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نعمتِ رویت باری تعالیٰ مخصوص لوگوں کے لئے وقف ہے۔ جن ملائکہ کے لئے یہ نعمت عام نہیں ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں ہمارے پاس اگر کوئی قوی دلیل لائی جائے۔ تو ہم تسلیم کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ اس بشارت سے عورتوں کا اخراج مطلوب و مقصود نہیں ہے۔ یہ کبھی باور نہیں کیا جاسکتا۔ کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت خدیجہ الکبریٰ۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور اہل بیت کی دوسری عورتیں رضی اللہ عنہن، حضرت مریم و آسیہ جو دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور عرفان و کمال میں کئی مردوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ رویتِ الہی سے محروم رہیں یا عام مردوں سے اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول میں پیچھے رہ جائیں۔ بلکہ انہیں عام مومنات سے مخصوص اور مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ جن کے لئے احادیث میں عیدین اور جمعہ کا تعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو اس لئے دیدار نہیں ہوگا کہ وہ خیمے میں ہونگی محض غلط بات ہے۔ کیونکہ وہاں خیمے دنیا کے خیموں کی طرح حجاب و پردہ کا ذریعہ نہیں ہونگے۔ ویراہ المؤمنون اذ انکم سترون رتکم میں دو صیغے جمع مذکر کے ہیں۔ پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ مومن! اللہ کریم کا دیدار پائیں گے اور دوسرے جملے کے معنی یہ ہیں کہ بیشک عنقریب ہی تم اپنے رب کو دیکھ لو گے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ "یہ تغلیباً" ہے۔ یعنی غلبہ مردوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اور عورتیں بھی اس حکم میں آتی ہیں۔

سیوطی نے یہ بھی کہا ہے۔ رویت کی تخصیص و تفضیل بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہیں۔ اور موقت میں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کافروں اور منافقوں کو بھی قیامت میں رویت باری تعالیٰ نصیب ہوگی۔ مگر جلال و قہر کی حالت میں ہوگی اور اس کے بعد محبوب کر دیئے جائیں گے تاکہ حسرت و خذاب زیادہ ہو۔

خواب میں دیدارِ الہی۔

اللہ کریم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ

خواب میں دیدارِ الہی صحیح اور حق ہے۔ اور سلف سے اس کے متعلق روایات ملتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے خداوند تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا اے پروردگار! سب عبادتوں میں افضل ترین عبادت کونسی ہے اور

تیری بارگاہ میں پہنچنے کا نزدیک تر راستہ کونسا ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت!

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک سو بار خداوند عالم کو

خواب میں دیکھا تھا۔ ابن سرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر تابعین اور خواب کے تعبیر بنانے

والوں کے امام مانے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ”جو شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔

اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بہشت میں جگہ پائے گا اور رنج و غم سے نجات پائے گا۔“

یہ درحقیقت مشاہدہ قلبی ہے اور ظاہری آنکھ اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔ اگر کوئی

آنکھ سے دیکھے تو وہ دیکھنا مثالی ہے۔ حق تعالیٰ مثل نہیں مگر مثالی ہے۔ مثل اور مثال میں

بہت فرق ہے۔ مثل وہ ہے جو تمام صفات میں مثل لہ کے مشابہ ہو مگر مثال میں مساوات

مشرط نہیں۔ عقل کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ تمام صفات میں آفتاب کے

مشابہ نہیں۔ حالانکہ آفتاب کی مثال عقل کو لاتے ہیں۔ مناسبت بس اتنی ہے۔ جس طرح

آفتاب کے نور سے محسوس چیزیں منکشف ہوتی ہیں۔ عقل کے نور سے معقولات منکشف

ہوتی ہیں۔ مثال ہونے کے واسطے اسی قدر مناسبت کافی ہے ایسے ہی بادشاہ کو آفتاب

کی مثال۔ وزیر کو چاند کی مثال دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص آفتاب کو خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بادشاہ سے

ملاقات کرے گا۔ اگر ماہتاب کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی ملاقات وزیر

سے ہوگی قرآن نے اس مثال کو کس انداز میں بیان کیا ہے۔

مثل نورہ مکشکوۃ فیہا اللہ کے نور کی مثال اس نور کی سی

مصابح المصباح فی زجاجہ ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ

شیشے کے فانوس میں روشنی ملے

رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مصباح و زجاجہ یا چراغ شیشہ اور فانوس کی تشبیہ سے پاک ہے۔ اسے زیون کے درخت کی تشبیہ بھی زیب نہیں دیتی۔ ہاں اس کے نور کی مثال میں لیں ہے۔ جس طرح قرآن کو جہل متین سے مثال دی گئی ہے حقیقت میں ایک رسی قرآن کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عالم خواب بھی عالم مثال ہے۔ سرکارِ دو عالم کے دیکھنے اور مشرف بزیارت ہونے کی کیفیت بھی ایسی ہی ہے۔ اس کلام کی پوری تحقیق امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل سے معلوم ہوتی ہے۔

دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو بیداری کی حالت میں سر کی آنکھوں سے دیکھنے کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ قشیریہ میں فیصلہ دیا ہے کہ عدم جواز کا قول صحیح ہے۔ یہ گفتگو جواز اور امکان میں ہے۔ اور عدم وقوع میں سب کے نزدیک محقق ہو چکا ہے کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ثب معراج میں حسب روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دیدار ہوا اور کسی کو میسر نہیں۔

محدثین۔ فقہا منکلمین حتیٰ کہ مشائخ طریقت بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ کتاب تعرفت میں لکھا ہے کہ مشائخ میں سے کسی نے بھی روایت الہی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے اس کا ثبوت ہم پہنچایا ہے۔ مگر جاہل صوفیا کا ایک طبقہ جنہیں صوفیا کی صف میں کسی صورت بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ روایت الہی کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں۔ مشائخ کا اجماع اسی بات پر ہے۔ کہ روایت کا مدعی کاذب اور جھوٹا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا دعویٰ کرنا معرفت کے نہ حاصل ہونے کی علامت ہے۔ جس نے دعویٰ کیا ہے حقیقت میں وہ خدا کو نہیں پہچان سکا۔ شیخ علاؤ الدین قلوبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح تعرفت میں لکھا ہے۔ کہ اگر روایت الہی کی نقل کسی معتبر سے پہنچے تو اس کی تاویل کر لینا چاہئے۔ تفسیر کواشی میں مذکور ہے کہ سر کی آنکھ سے روایت کا معتقد مسلمان نہیں رہتا۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد درست ہے۔ اردو بی بی نے کتاب انوار میں جو شافعی فقہ کی اہم ترین

کتاب ہے لکھا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ دنیا میں اس نے سر کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے میں اس کے منہ پر اسے کافر کہنے کے لئے تیار ہوں۔ عقیدہ منطومہ میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ قَالَ فِي الدُّنْيَا يَرَاهُ بِعَيْنِهِ
وَذَلِكَ مَنْ قَالَ فِيهِ أُولَى
قَدَا لِكَ زُنْدِيقٌ طَغَى وَتَمَرَّدَا
وَزَاعَ عَنِ الشَّرْعِ الشَّرِيفِ وَالْبَعْدَا
يَوْمَى وَجْهَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَسْوَدَا

— خالقِ جمیع اشیاء —

اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ آسمان۔ زمین غرضیکہ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو چیز بھی ہے۔ اسی کی بنائی ہوئی ہے اور اسی کی قدرت کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔ وہ تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے۔ تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تمام کاموں کے نتائج معلوم کرنے کے بعد اسی طرح ٹھیک کرنا کہ اس میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔ تمام اشیاء کو ازلی اندازے اور تقدیر سے ہی پیدا فرمایا۔ خیر و شر۔ نفع و ضرر حسن و قبح تمام قضا و قدر الہی سے ہیں۔

— عالمِ جمیع معلومات —

اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا مالک ہے، جزو کل تمام عالم کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، کوئی چیز اس پر واجب و لازم نہیں لطف و قہر نہ ثواب و عتاب۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، خدا ہر کسی کی حکمرانی نہیں، عبادت گزار اس کے فضل سے ثواب پاتے ہیں، گناہگار اس کے عدل سے سزا حاصل کرتے ہیں۔ وہ ہر حالت میں اپنے قہرِ فضل۔ عدل اور کرم میں محمود ہے، کوئی شخص اس پر اپنا استحقاق اور لازمی حق نہیں جتا سکتا۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ فرمانبرداروں کو ثواب دوں گا۔ نافرمانوں کو عذاب کو دوں گا۔ ہر امر اسی کے حکم کے مطابق سے ہوتا ہے لیکن یہ بات اس پر واجب نہیں۔ اگر وہ اس قاعدے کے خلاف کرے تو کسی کی طرف تفت نہیں۔ کہ کہہ سکے کہ ایسا کیوں ہوا۔

اس کو اپنے کاموں میں کوئی غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ہر صاحبِ غرض تو اپنی غرض پوری کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ مگر اس کے ہر کام میں حکمتیں ہیں۔ اور انسان ان کی حکمت دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی حکمتوں سے جو فائدے برآمد ہوتے ہیں۔ وہ سارے اس کی مخلوقات کے لئے ہیں۔ اسے ان فائدوں کا کوئی احتیاج نہیں۔ خلقت کا موجود ہونا یا معدوم ہونا، ان کے نفع و نقصان اللہ کی نسبت یکساں ہیں۔ وہ اپنی ذاتی بخشش سے اور اپنے ارادہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ رعایتِ حکمت و مصلحت اس پر

واجب و لازم نہیں ہے۔

— حاکم بلا مشرکت غیرے —

اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ صرف اسی کا حکم واجب ہے۔ نیکی و بدی پر ثواب و عذاب اس کے حکم سے نافذ ہوتا ہے۔ اچھا کام وہ ہے جس کا اس نے حکم دیا ہو۔ بُرا وہ ہے جس سے اس نے روکا ہو۔ کام کا اچھا یا بُرا ہونا شارع کے حکم دینے یا منع کرنے پر منحصر ہے۔ یہاں عقل بے کار ہے کہ وہ کس کام کی اچھائی یا بُرائی کے متعلق فیصلے کرتی پھرے۔ جی لوگوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی۔ پہاڑوں کی دشوار وادیوں یا سمندر کے دُور دراز جزیروں میں رہنے والے وہیں پیدا ہوئے اور وہیں مر گئے۔ نہ کسی آبادی والے سے ملے۔ وہ آخرت میں ماخوذ اور معذب نہیں ہونگے۔

بعض مشائخ کے نزدیک ایسے لوگ بھی ایمان نہ لانے اور اللہ کی توحید پر اعتقاد نہ کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہونگے۔ کیونکہ اس قدر معلوم کر لینا کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے اور تمام صفات و کمالات سے موصوف ہے۔ شریعت پر ہی موقوف نہیں کائنات کے تغیرات و امکانات دیکھ کر عقل کے نزدیک بھی توحیدِ صانع پر ایمان ضروری ہے۔

پہلے طبقے نے قرآنِ پاک کی آیت بطور دلیل پیش کی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ
نَبْعَثَ رَسُولًا ط

ہم کسی کو عذاب نہیں کریں گے
جب تک اس کے پاس رسول نہ بھیج

ویں۔

رسول اسلام کی دعوت دے اور وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں۔ رسول کی مخالفت کریں۔ تو پھر قابلِ مواخذہ اور معذب ہونگے۔ اس آیت پر تاویلی طور پر یہ کہنا کہ رسول سے مراد عقل ہے محض بہیودہ اور لغو دلیل ہے۔

شیخ کمال الدین ابن ہمام نے (جو حنفیہ کے محققین میں سے ہیں) فریقِ اول کی تائید کی ہے اور ابو البثر تبردوی بھی اسی خیال سے متفق ہیں۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حسُن و قبح کیا ہے؟

کام اچھا وہ ہے جسے شارعِ علیہ السلام نے اچھا کہا اور بُرا وہ ہے جس سے شارعِ علیہ السلام نے منع کیا۔ بذاتِ خود نہ کوئی کام اچھا ہے نہ بُرا۔ کیونکہ اچھے اور بُرے کے نتائج تو آخرت کے عذاب و ثواب پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ بات عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ ہاں کسی کام کا پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونا عقل کی حدود میں آسکتا ہے عدل کو اچھا جاننا۔ ظلم کو ناپسند کرنا۔ علم کو صفتِ کمال یا جہالت کو صفتِ نقصان خیال کرنا عقل کے اختیار میں ہے۔

— ملائکہ

اس بات پر اعتقاد کرنا بڑا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں۔ ان کے اجسام نورانی ہیں اور وہ ہر شکل اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی ارواح مجرّدہ ہیں۔ ان کا بدن ہی ان کے لئے لباس کا کام دیتا ہے۔ ان کے ہاں مذکر و مؤنث کا امتیاز نہیں تو والد و ناسل کا سلسلہ ان کے ہاں نہیں پایا جاتا۔ آسمان و زمین بلکہ تمام اجزائے عالم پر فرشتے موکل ہیں۔ وہ اجزائے عالم پر مرتب۔ مدبر اور نگہبان ہیں۔ ایک ایک آدمی پر کئی کئی فرشتے مقرر ہیں۔ بعض اعمال کے لکھنے بعض شیطان اور دوسرے موذیوں سے بچانے پر مقرر اور محافظ ہیں۔ تمام عالم علوی و سفلی میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں فرشتے معمور نہ ہوں۔ اور ان کی حکمرانی نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ تمام مخلوقات کے دس حصے تصور کئے جائیں تو ان کے نو حصے صرف فرشتے ہی ہیں۔

لے فرشتوں کے پر اور بازو بھی ہوتے ہیں۔ دو دو تین تین چار چار۔ قرآن پاک نے فرشتوں کے بازووں کا

لے حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ فرماتے ہیں :

خُلِقَتْ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَادُّ مِنْ تَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِنْ مِصْرٍ
وُصِفَ لَكُمْ۔

ملاکہ (فرشتے) نور سے بنائے گئے۔ اور جن آگ کی ٹوسے جس میں دُھواں ملا ہوا تھا۔ اور آدم

اس چیز سے جو تمہیں بتائی گئی۔ یعنی سیاہ اور سپید و سرخ مٹی سے۔

كَمَا عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا رَوَاهُ إِمام أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ عَنْ أُخْرٍ
الْمُؤَمِّينَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا۔

عبدالرزاق اپنے مصنف میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورًا نَبِيَّكَ مِنْ نُورِهِ
(القولہ) فَلَمَّا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذَلِكَ النُّورَ أَرْبَعَةَ
أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنْ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِيِ اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّلَاثِ
الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ۔ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ
وَمِنَ الثَّانِيِ الْكُرْسِيِّ وَمِنَ الثَّلَاثِ بَاقِيَ الْمَلَائِكَةِ۔ الْحَدِيثُ۔

اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے بنایا۔ پھر جب
عالم کو پیدا کرنا چاہا۔ اس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے سے قلم اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے
عرش بنایا۔ پھر چوتھے ٹکڑے کے چار حصے کئے پہلے سے ملاکہ حاملان عرش۔ دوسرے سے کرسی تیرے
سے باقی فرشتے پیدا کئے۔

علامہ فاسی مطالع السرات میں نیز قول دلائل التقدّم من نور ضیائیک ناقل:
قَدْ قَالَ الْأَشْعَرِيُّ أَنَّهُ تَعَالَى نُورًا لَيْسَ كَالْأَنْوَارِ وَالرُّوحِ النَّبَوِيَّةِ
الْمُقَدَّسَةِ لِنَعَةِ مَنْ نُورِهِ وَالْمَلَائِكَةُ تُشَدُّ رُتَبُكَ الْأَنْوَارِ قَالَ

خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ لہذا اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ پروں کی صحیح تعداد

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورًا حَيًّا وَمِنْ نُورٍ حَيٍّ خَلَقَ
كُلَّ شَيْءٍ

یعنی امام اشعری فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل نور ہے نہ مثل اور نوار کے۔ اور روح پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم اس کے نور کی ایک چمک ہے۔ اور فرشتے ان (حضور سرور کائنات) کے نور کے شرارے
ہیں۔ حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا۔ اور
میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا کی۔

ابو ایسیخ نے عکرمہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورِ الْعِزَّةِ -
فرشتے نور عزت سے بنائے گئے۔

یزید بن رومان سے راوی کہ انہیں خبر ہوئی۔

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ خُلِقَتْ مِنْ نُورِ اللَّهِ -

کہ ملائکہ ربانی روح سے پیدا کئے گئے ہیں۔

غالباً اس احتمال کی شرح وہ ہے جو امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے

مروی ہے۔ کہ روح ایک فرشتہ ہے۔ جس کے ستر ہزار سر ہیں۔ ہر سر میں ستر ہزار چہرے۔ ہر چہرے میں ستر

ہزار وہن (منہ)۔ ہر وہن میں ستر ہزار زبانیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار لغت۔

يَسْبِحُ اللهُ تَعَالَى بِتِلْكَ اللِّغَاتِ كُلِّهَا يَخْلُقُ مِنْ كُلِّ تَسْبِيحَةٍ مَلَكٌ

يَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

وہ (فرشتہ) ان سب لغتوں سے کہ ایک لاکھ اسی ہزار ستر ہجرتیہ ہونے جس کی کتابت یوں ہے۔

کہ ۱۶۸۰۶۰ لکھ کروائیں ہاتھ کو بیس صفر کا ویسے اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ

پیدا ہوتا ہے۔ کہ قیامت تک ملک کے ساتھ پرواز کرے گا

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الْبَدْرُ حَمُودًا لِعَيْنِي فِي عُمْدَةِ الْقَارِي شَرْحِ صَحِيحِ

الْبُخَارِيِّ مِنْ كِتَابِ التَّفْسِيرِ وَالْإِمَامُ الرَّازِيُّ فِي تَفْسِيرِ الْكَبِيرِ -

کا علم اللہ کو ہے۔ اس سے یہ تاویل کی جا سکتی ہے۔ کہ بانوں سے مراد قوائے ملکی ہے جس طرح دوسرے احکام

ثعلبی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ روح ایک
ملک (فرشتہ) عظیم ہے۔ آسمان وزمین و جبال و ملائکہ سب سے۔ اور اس کا مقام آسمان چہارم میں ہے۔
وَيَسْبِقُ كُلَّ يَوْمٍ إِنَّنِي عَشْرَ تَسْبِيحَاتٍ بِمَخْلُوقٍ مِنْ كُلِّ تَسْبِيحَةٍ مَلَكٌ -
ہر روز بارہ ہزار تیسبیں کتا ہے۔ ہر تیسب سے ایک فرشتہ بنتا ہے یہ روح نامی فرشتہ روز قیامت تنہا
ایک صف ہوگا۔ اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف۔

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الْبَغَوِيُّ فِي الْمَعَالِمِ تَحْتَ قَوْلِهِ تَعَالَى يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ
صَفًّا وَالْإِمَامُ الْعَيْنِيُّ فِي النُّعْمَةِ تَحْتَ قَوْلِهِ تَعَالَى وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ

مروى ہوا:

إِنَّ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَهِيَ مِنْ مَاءٍ وَدُخَانٍ مَلَائِكَةٌ خَلِقُوا مِنْ مَاءٍ وَرُوحٍ
عَلَيْهِمْ مَلَكٌ يُقَالُ لَهُ الرَّعْدُ وَهُوَ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ وَالْمَطَرِ -
آسمان دنیا میں کہ پانی اور دھوئیں کا بنا ہے۔ ملائکہ ہیں۔ کہ آب و ہوا سے بنائے گئے ہیں۔ ان کا افسر
ایک فرشتہ رحمانی ہے۔ جو لبر و باران پر موكھ ہے۔

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الْقُسْطَبَلَانِيُّ فِي الْمَوْاهِبِ -

سیدی شیخ اکبر علی الملہ والدین ابن عربی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے ایک
نور کی تجلی فرمائی۔ پھر تاریکی بنائی۔ ظلمت پر اس نور کا پرتو ڈالا۔ اس سے عرش ظاہر ہوا۔ پھر اس
طے ہوئے نور سے کہ فیض صبح کی مانند تھا جس میں تاریکی شب مخلوط ہوتی ہے۔ ان ملائکہ کو بنایا۔
جو گرد عرش میں۔ پھر کرسی پیدا کی۔ اور اس میں اسی کی طبیعت کی جنس سے ملائکہ پیدا کئے۔
ذَكَرَهُ فِي الْبَابِ الثَّالِثِ عَشَرَ مِنَ الْفُتُوْحَاتِ الْمَكِّيَّةِ - وَأوردَهُ الْإِمَامُ
الشُّعْرَانِيُّ فِي الْيَوَاقِيْتِ وَالْجَوَاهِرِ -

شیخ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور قدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَنَهْرًا مَاءً يَدْخُلُهُ جِبْرِيْلٌ دَخَلَةً فَيَخْرُجُ فَيَنْتَفِضُ الْأَخْلَاقَ
اللَّهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ تَقَطَّرُ مِنْهُ مَلَكًا -

مثنیبات قرانی ہیں۔ عدد مذکورہ سے حرم او نہیں۔ کہ چار چار بازوں سے زیادہ فرشتوں کو نہیں ملے۔ حدیث

بیشک و شبہ بنت میں ایک نہر ہے۔ کہ جب جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں جا کر باہر آ کر پڑے جھاڑتے ہیں جتنی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھ سو پڑے ہیں۔ کہ اگر ایک پر پھیلا دیں۔ تو افق آسمان چھپ جائے۔

ابن ابی حاتم و عقیلی و ابن مردویہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :-

فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ نَهْرٌ يُقَالُ لَهُ الْيَمَانُ يَدْخُلُهُ جِبْرَائِيلُ كُلَّ يَوْمٍ
فَيَنْغَمِسُ فِيهِ الْغَمَامَةَ مِنْهُ يُخْرَجُ فَيَنْتَفِضُ انْتِفَاضَةً فَيَخْرُجُ عَنْهُ
سَبْعُونَ أَلْفَ قَطْرَةٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ مَلَكًا هُمُ الَّذِينَ يُؤْمَرُونَ
أَنْ يَأْتُوا الْبَيْتَ الْمَعْمُورَ فَيُصَلُّوا فَيَفْعَلُونَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ فَلَا يَعُودُونَ
إِلَيْهِ أَبَدًا وَيُورِي عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ ثُمَّ يَوْمَرُ أَنْ يَقِفَ بِهِمْ فِي السَّمَاءِ مَوْقِعًا
يُسَبِّحُونَ اللَّهَ إِلَى أَنْ تَقُورَ السَّاعَةُ -

چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے۔ جسے نہریات کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز اس میں ایک غوطہ لگا کر پڑھاتے ہیں۔ جس سے ستر ہزار قطرے جھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ انہیں حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں جا کر نماز (صلوٰۃ) پڑھیں۔ جب پڑھ کر نکلتے ہیں پھر کبھی اس میں نہیں جاتے۔ ان میں سے ایک کو ان پر افسر بنا کر حکم فرمایا جاتا ہے۔ کہ آسمان میں ان کو ایک جگہ لے کر کھڑا ہو۔ وہ سب مل کر قیامت تک وہاں تسبیح الہی کرتے ہیں :-

وَرَدَى ابْنُ الْمُنْذِرِ نَحْوَهُ بِدُونِ ذِكْرِ النَّهْرِ مِنْ طَرِيقِ صَيْحَجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَكِنَّ مَوْقِعًا قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجْرٍ وَمَعْلُومٌ
أَنَّ الْمَوْقِفَ كَالْمَوْقِعِ أَقُولُ فَصَحَّ الْحَدِيثُ وَسَقَطَ مَا نَقَلَ الْفَائِزِيُّ
عَنِ الْوَلِيِّ الْعِرَاقِيِّ إِنَّ لَمْ يَنْبُتْ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ فَقَدْ اثْبَتَهُ الْحَافِظُ وَفَوَّقَ
كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِمْ -

پاک میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو جبرائیل کے چھ سو پرو کیے۔

عطا و مقاتل و ضحاک کی روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں آیا :
 اِنَّ عَن يَمِيْنِ الْعَرْشِ نَهْرًا مِّنْ ذُرِّيِّ مِثْلِ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَالْاَرْضِيْنَ
 السَّبْعِ وَالْبَحَارِ السَّبْعِ يَدْخُلُ فِيْهِ جِبْرِئِلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلَّ
 سَجْدَةٍ يَخْتَسِلُ فِيْهِ فَيَرْدَادُ نُوْرًا اِلَى نُوْرِهِ وَجَمًا اِلَى جَمَالِهِ
 ثُمَّ يَنْتَقِضُ فَيَخْلُقُ اللهُ تَعَالَى مِنْ كُلِّ نُقْطَةٍ تَقَعُ مِنْ رِيْسِهِ كَذَا
 كَذَا اَلْفَ مَلِكٍ يَدْخُلُ مِنْهُمُ الْبَيْتَ السَّبْعُوْنَ اَلْفًا ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ
 اِلَيْهِ اِلَّا اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

عرش کے دائیں طرف نور کی ایک نہر ہے۔ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کے برابر۔ اس میں بہ سحر جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نہاتے ہیں جس سے ان کے نور پر نور اور جمال پر جمال بڑھتا ہے۔ پھر وہ اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں۔ جو پھینٹ گرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اتنے اتنے ہزار فرشتے بناتا ہے۔ جن میں سے ستر ہزار بیت المعمور جاتے ہیں۔ پھر قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوتے۔ ذکرا الامام فخر الدین الرازی فی تفسیر قولہ تعالیٰ و یخلق ما لا تعلمون۔

ابو نعیم خطیم و ابن عساکر اور بیہقی کتاب الرویۃ میں بروایت علی بن ابی اطاة۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :
 اِنَّ لِلّٰهِ الْمَلٰٓئِكَةَ تَرْعِدُ فَرَاثِقُهُمْ مِنْ خَافَتِهِ مَا مِنْهُمْ مِنْ مَلِكٍ
 يَغْطُرُ مِنْ عَيْنِهِ دَمْعًا اِلَّا وَقَعَتْ مَلَكًا قَائِمًا يَسْتَبِحُ الْحَدِيْثَ۔
 اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ کہ خوف الہی سے ان کا بند بند لرزتا ہے۔ ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکتا ہے۔ وہ گرتے گرتے فرشتہ ہو جاتا ہے۔ کہ کھڑا ہو کر رب العزت جل جلالہ کی تسبیح کرتا ہے۔

ابو الشیخ کعب احبار سے اس کے قریب راوی کہ :

لَا تَغْطُرُ عَيْنُ مَلِكٍ مِنْهُمْ اِلَّا كَانَتْ مَلَكًا يَطِيْرُ مِنْ خَشِيَةِ اللّٰهِ۔

جبرائیل علیہ السلام۔ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب قرار دیئے گئے ہیں۔ یہ چاروں

ان فرشتوں سے جس کی آنکھ سے کوئی بوند ٹپکتی ہے۔ وہ ایک فرشتہ ہو کر خوفِ خدا سے اڑ جاتی ہے۔

ابن بشکوال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ حضور پر نور افضل صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ تَعْظِيمًا حَقِّي خَلَقَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذَلِكَ الْقَوْلِ مَلَكًا لَهُ
جَنَاحٌ بِالْمَشْرِقِ وَآخَرٌ بِالْمَغْرِبِ يَقُولُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ صَلَّى عَلَيَّ عَبْدِي كَمَا
صَلَّى عَلَيَّ نَبِيِّي فَهُوَ يُعْبَدُ عَلَيَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لئے درود بھیجے۔ اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جس کا ایک پر مشرق اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے۔ کہ درود بھیج میرے بندے پر جیسے اس نے درود بھیجا میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر۔ پس وہ فرشتہ قیامت تک اس پر درود بھیجا رہتا ہے۔

وَذَكَرَ أَيْضًا أَبْنَاءُ سَبْعٍ وَالْفَاكِرَ هَانِي -

خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد اپنی کتاب مستطاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم شرح میں امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے۔ کہ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود بھیجتا ہے۔ تو وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھا کر اپنے پر جھاڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر قطرہ سے کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

إِنْتَهَى كَلَامَهُ الشَّرِيفُ قُدَّسَ سِرُّهُ اللَّطِيفُ -

مواہب شریف میں ہے۔

فَدُرِّيْ اِنْ تَمَّ مَلَيْكَةٌ يَسْبَحُونَ فَيَخْلُقُ اللَّهُ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ مَلَكًا -
دور ہوا۔ کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں۔ کہ تسبیح الہی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک

دنیا کے بڑے بڑے انتظامات پر مامور ہیں۔ ملک اور ملکوت کے اہم معاملات انہیں کے سپرد ہیں۔ ان

فرشتہ پیدا کرتا ہے۔

سیدی شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کے باب ۲۹ میں فرماتے ہیں کہ نیک کلام

اور اچھا کام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے۔

ذَكَرَ عَنْهُ فِي الْمَبْحَثِ السَّائِعِ عَشْرَ مِنَ الْبُيُوتِ -

ان کے نزدیک آیہ کریمہ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ

کے یہ معنی ہیں۔

امام قرطبی تذکرہ میں علمائے کرام سے ناقل کہ جو شخص سورہ بقرہ آل عمران پڑھتا ہے۔ اللہ

عزوجل اس کے ثواب سے فرشتے بناتا ہے۔ کہ روز قیامت اس قاسی کی طرف سے جھگڑیں گے۔

نَقَلَ عَنِ الْقَاسِي فِي مَطَالِعِ الْمَسْرَاتِ - ان کے نزدیک حدیث احمد و مسلم اَقْرَدُوا

الزَّهْرَادِينَ الْبَقْرَةَ وَالْإِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا بَأْسَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهَا غَمَّانِ أَوْ

غَائِيَانِ أَوْ كَأَنَّهَا قَرْفَانٌ مِنَ الطَّيْرِ صَوَافٍ يُوحَا جَارِعًا عَنْ أَصْحَابِهِمَا كَيْفَ مَعْنَى هُنَّ -

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعان قدس سرہ الربانی میزان الشریعہ الکبریٰ میں فرماتے ہیں

أَقْوَى الْمَلَائِكَةِ وَأَشَدُّهُمْ حَيَاءً مَنْ كَانَ مَخْلُوقًا مِنْ أَنْفَاسِ النِّسَاءِ -

یعنی آدمیوں کے سانس سے فرشتے بنتے ہیں۔ اور ان میں قوی تر اور حیاء میں زائد وہ ہوتے ہیں جو

عورتوں کے سانس سے بنائے جاتے ہیں۔

مذکور بالا احادیث و اقوال جن میں آفریش (پیدائش) ملائکہ کے متعدد طریقے مذکور ہوئے۔ ان

سے ثابت ہوا کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے۔ ہر روز بے شمار بنتے ہیں۔ جن کی گنتی ان

کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

قُلْتُ أَعْرَبُ الْقَلْبَانِي فَرَعَهُ أَنَّ مَلَائِكَةَ الْأَرْضِ وَالْجَوْمَرَكَةَ مِنَ الطَّبَائِعِ

الْأَرْبَعِ وَأَشَارَ أَنَّ لَهُمْ فِي أَجْسَامِهِمْ دَمًا مَسْفُوحًا قَالَ فِي الْبُيُوتِ قَالَ

بَعْضُهُمْ وَلَعَلَّ مَرَادَهُ بِهَذَا الْمَلَائِكَةَ الْقَاطِنِينَ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ نَوْمٌ

مِنَ الْجِنِّ سَمَاهُمْ مَلَائِكَةَ إِصْطِلَاحًا لَهُ - قُلْتُ وَمِثْلُهُ عَرَبًا بَاعَرْنَا رِبْنَ

میں جبرائیل علیہ السلام کے ذمہ علوم ربانی کا تقاضا اور وحی الہی کا انبیاء کی طرف ترسیل ہے۔

عَسَائِرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قُرْبًا يَتَوَالِدُونَ يُقَالُ لَهُمُ
الْحِنُّ وَمِنْهُمْ إِبْلِيسُ كَمَا نَقَدْنَا فِي إِرْشَادِ السَّارِي وَأَنْتَ تَعْلَمُ إِنَّ عَقِيدَةَ
أَهْلِ السُّنَّةِ فِي الْمَلَائِكَةِ تَنْزُلُهُمْ عَنِ الذِّكُورَةِ وَالْأُنْثَى فَافِي التَّوَالِدِ أَحْسَرُ
فَحَامِلُهُ هُوَ مَا هَرَّ مِنْ تَسْمِيَةِ بَعْضِ الْحِنِّ مَلَكًا وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔

رہا ان کی موت کا حال۔ امام ولی الدین عراقی سے اسئلہ مکہ میں اسی باب میں سوال ہوا جواب

فرمایا:

لَمْ يَثْبُتْ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ وَلَا يَجُوزُ الْمَهْجُومُ عَلَيْهِ بِمُجَرَّدِ الْإِحْتِمَالِ وَلَا يَحْتَمَلُ
لِلْمُطَرِّفِيهِ وَلَا دَخَلَ لِلْقِيَاسِ۔

اس باب میں کچھ ثابت نہ ہوا۔ اور محض احتمال سے اس پر جرات روانہ نہیں۔ نہ نظر کی یہاں گنجائش
نہ قیاس کا دخل۔

نَقَلَهُ الْعَلَّامَةُ الْفَارِسِيَّةُ فِي مَطَالِعِ الْمَسْرَاتِ۔

بلکہ حضرت شیخ البرقیس سرہ تو انہیں مثل ارواح مانتے ہیں۔ کہ نہ تھے۔ مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں
گے۔ کہ ارواح کو کبھی موت نہیں۔ فتوحات شریف کے باب ۱۸ میں فرمایا:

إِنَّهُ لَيْسَ لِلْمَلَائِكَةِ آخِرَةٌ هُوَ ذَلِكَ أَنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فَيُبْعَثُونَ وَإِنَّمَا هُوَ
صَعِقٌ وَرَافَقَةٌ كَالنَّوْمِ وَالْإِفَاقَةُ مِنْهُ عِنْدَنَا ذَلِكَ حَالٌ لَا يَزَالُ عَلَيْهِ الْمَمْكُونُ
فِي التَّجَلِّيِ الْإِجْمَالِيِّ دُنْيَا وَآخِرَةَ الْحَيَاةِ نَقَلَهُ فِي الْبَيَوَاقِيْتِ وَالْجَوَاهِرِ۔

اقول شاید یہ مسئلہ تجسم و تجرؤ ملکہ پر مبنی ہو۔ جو انہیں نفوس مجرودہ مانتے ہیں۔ جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی
وغیرہ ان کے طور پر ملائکہ کے لئے موت نہ ہونی چاہیے۔ کہ روح کبھی نہیں مرنی۔ موت جسم کے
لئے ہے۔ یعنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ اور ملائکہ کو اجسام لطیفہ کہتے ہیں جن سے نفوس
شریفہ متعلق ہیں۔ جیسا جمہور اہل سنت کا مسلک ہے۔ اور صدہا طور پر نصوص اسی طرف ناظران
کے نزدیک ملائکہ کو موت سے چارہ نہیں۔ اور یہی ظاہر مفاد آیت اور احادیث تو اس میں بالتصریح وارد
ہے۔ صحیح و معتد ہے۔

میکائیل علیہ السلام۔ میکائیل علیہ السلام کے ذمہ تمام مخلوقات کو رزق کی بہم رسانی ہے۔

وَقَالَ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ -

ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی۔ جب آیت کریمہ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ نازل ہوئی۔ کہ جتنے زمین پر ہیں۔ سب فنا ہونے والے ہیں۔ ملائکہ بوئے زمین والے مرے یعنی ہم محفوظ ہیں۔ جب آیت کریمہ :

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط

نازل ہوئی۔ کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ملائکہ نے کہا۔ اب ہم بھی مرے۔

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الرَّازِي فِي مَعَانِيهِ الْغَيْبِ -

ابن جریر انیس سے راوی۔

قَالَ وَكُلُّ مَلِكِ الْمَوْتِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ - الْحَدِيثِ
(یعنی ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں۔)

نیز ابن جریر ابوالشیخ وغیرہما ایک حدیث طویل میں ابوبکر بنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أَخْرَجَهُمْ مَوْتًا مَلِكُ الْمَوْتِ -

فرشتوں میں سب سے پیچھے ملک الموت مرے گا۔ بیہقی و فریابی نے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں تفصیلاً ان کی کیفیت موت روایت کی ہے۔ کہ جب سب فنا ہوں گے جبرائیل و میکائیل و ملک الموت باقی رہیں گے۔ رب تبارک و تعالیٰ کہ وانا تر ہے۔ ارشاد فرمائے گا۔ اسے ملک الموت! اب کون باقی ہے بہر من کریں گے۔

بَقِيَ وَجْهَكَ الْبَاقِيَ الدَّائِمَ وَعَبْدُكَ جَبْرَائِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَمَلِكُ الْمَوْتِ -
باقی ہے تیرا وہ جو کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرے بندے جبرائیل و میکائیل و ملک الموت۔ حکم ہو گا۔

رزق کی تقسیم و مقدار انہی کے سپرد ہے۔

تعرّف نفس میکائیل۔

میکائیل کی روح قبض کر۔ وہ عظیم پہاڑ کی طرح گریں گے۔ پھر فرمائے گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے۔

اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے :

وَجْهَكَ الْبَاقِيَ الْكَرِيمِ عَبْدُكَ جِبْرَائِيلَ وَمَلَكَ الْمَوْتِ۔

تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرے بندے جبرائیل و ملک الموت۔ فرمائے گا :

تعرّف نفس جبرائیل۔

جبرائیل کی روح قبض کر۔ وہ اپنے پر پھر پھرتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے۔ پھر فرمائے

گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے۔ اب کون رہا؟ عرض کریں گے۔

وَجْهَكَ الْكَرِيمِ وَعَبْدُكَ الْمَلِكِ الْمَوْتِ وَهُوَ حَيٌّ

تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرا بندہ ملک الموت کہ وہ بھی مرے گا۔ فرمائے گا : مُتَّ.

مر جا۔ وہ بھی مر جائیں گے۔ پھر فرمائے گا۔ ابتدا میں۔ میں نے خلق بنائی۔ اور میں پھر اسے زندہ

کروں گا۔ کہاں ہیں سلاطین مغرور جو ملک کا دعوائے کرتے تھے۔ کوئی جواب دینے والا نہ ہو

گا۔ خود فرمائے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّاسِ۔

آج بادشاہی ہے۔ اللہ غالب کی۔

ملفق منهم ما عند القمیا بی ان اخوهم موتا جبرائیل و اللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث سے ملائکہ مقربین کا روز قیامت تک زندہ رہنا معلوم ہی ہوا۔ اور سیدنا علی

مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے گذرا کہ یہ بیسٹا فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں قیامت تک ملائکہ کے

ساتھ اڑتے پھریں گے۔ اور حدیث میں گذرا۔ کہ یہ ستر ہزار فرشتے جو روز بنتے ہیں۔ قیامت

تک تسبیح الہی کرتے رہیں گے۔ وہ فرشتہ قیامت تک مصلیٰ (درود خواں) پر درود بھیجتا رہتا

ہے۔ روایت سخاوی میں گذرا۔ اس کے پُر کے قطروں سے جو فرشتے بنتے ہیں۔ قیامت تک

مصلیٰ (درود خواں) کے لئے استغفار کریں گے۔ ہر مسلمان کے ساتھ جو کربانا کاتبین ہیں۔ ان

کے لئے حدیث شریف میں آیا۔ مرگ مسلمان کے بعد آسمان پر جاتے اور وہاں رہنے کا اذن

اسرافیل علیہ السلام۔ اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ صور کا پھونکنا ہے۔ یہ صور پہلی بار عالم کی

طلب کرتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے۔ میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہیں۔ کہ وہ میری
تسبیح کرتے ہیں۔ پھر عرض کرتے ہیں۔ تو ہمیں حکم ہو۔ کہ زمین میں رہیں۔ فرمان ہوتا ہے۔ میری
زمین مخلوق سے بھری ہے۔ کہ میری تسبیح کرتے ہیں:

وَلٰكِنْ قَوْمًا عَلٰی قَبْرِ عِبْدِيْ قَسِيْحًا نِّیْ وَهَلٰلَا نِيْ وَكِبْرَانِيْ اِلٰی یَوْمِ
الْقِيَامَةِ وَاكْتَبَا لِعِبْدِيْ۔

مگر میرے بندے کی قبر پر کھڑے قیامت تک تسبیح و تلیل و تکبیر کرو۔ اور اس کا ثواب میرے بندے
کے لئے لکھتے رہو۔

اَخْرَجَ أَبُو تَعِيْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ النَّخْدَرِيِّ وَالْبَيْهَقِيِّ فِي الْبَعْثِ وَابْنِ أَبِي
الدُّنْيَا عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔

اسی طرح اور احادیث بھی ہیں۔ ان حدیثوں سے بے شمار ملائکہ کا قیامت تک زندہ رہنا
ثابت اور اصلاً کسی حدیث سے یہ ثابت نہ ہوا۔ کہ کسی فرشتہ کو موت لاحق ہوئی ہو۔ بلکہ روایت
مذکورہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صاف ظاہر کہ نزول آئیہ کریمہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَا لِقَاءِ الْمَوْتِ

تک فرشتے اپنی موت سے خبردار ہی نہ تھے کہ ہمیں بھی موت ہوگی۔ لہذا ظاہر ہی ہے۔ کہ ملائکہ
کے لئے قیامت سے پہلے موت نہیں۔ بلکہ جو میر نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے روایت کی۔ کہ انسان و جن و حیوانات کی موت بیان کر کے فرمایا:

وَالْمَلَائِكَةُ يَمُوتُونَ فِي الصَّبْعَةِ الْأُولَى وَلَمَّا مَلَكَ الْمَوْتِ يَقْبِضُ
أَرْوَاحَهُمْ ثُمَّ يَمُوتُ۔

فرشتے اس وقت مرے گے۔ جب پہلا صوبہ چھوٹا جائے گا۔ ملک الموت ان کی روح قبض
کریں گے۔ پھر وہ خود بھی مر جائیں گے۔ یہ حدیث مقصود میں نص تھی۔

لَوْ كَانَتْ فِي جَوْيِدٍ مِنْ ضَعْفِ قَوِيٍّ وَلَا جَوْيِدٍ۔ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔

بعد ختم اس تحریر کے فتاویٰ مدنیہ امام علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی میں ایک

ہلاکت کے لئے پھونکا جائے گا۔ دوسری بار اس کے پھونکنے سے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ اور

فتوے متعلق بملائکہ دوسرا متعلق بحور عین نظر فقیر سے گذرا۔ امام نے اس میں موت ملائکہ پر اجماع نقل فرمایا:

حَيْثُ قَالَ أَمَّا الْمَلَائِكَةُ فَيَمُوتُونَ بِالنُّصُوصِ وَالْإِجْمَاعِ وَيَتَوَلَّى
قَبْضَ أَرْوَاحِهِمْ مَلَكَ الْمَوْتِ وَيَمُوتُ مَلَكَ الْمَوْتِ بِلَا
مَلَكَ الْمَوْتِ -

اور ان کے کام کا بھی ظاہر یہی ہے کہ موت ملائکہ نفعِ صورت سے ہوگی۔ سوا حاملانِ عرش و چار مقرب
(فرشتوں) کے کہ یہ اسکے بعد وفات پائیں گے۔

حَيْثُ قَالَ فِي الْفَتْوَى الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْمَلَائِكَةِ بِالنَّفْعِ فِي الصُّورِ
يَمُوتُونَ لِأَحْمَلَةِ الْعَرِيشِ وَجِبْرِيلَ وَإِسْمَاعِيلَ وَهَيْكَائِيلَ وَمَلَكَ
الْمَوْتِ ثُمَّ يَمُوتُونَ أَثَرِ ذَلِكَ -

اور دربارہ آفرینش بھی اسی کا استظهار فرمایا کہ ملائکہ ایک ہی دفعہ نہ بنے۔ بلکہ ان کی پیش

بدعات ہے۔

حَيْثُ قَالَ ظَاهِرُ السُّنَّةِ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَمْ يُخْلَقُوا دَفْعَةً وَاحِدَةً -

ابو ایسیخ و ہب بن منبہ سے راوی:

قَالَ لِلَّهِ نَهْرًا فِي السَّمَاءِ يُسَبِّحُ الْأَرْضِينَ كُلَّهَا سَبْعَ مَرَّاتٍ فَيَنْزِلُ عَلَى ذَلِكَ
النَّهْرِ مَلَكَ مِنَ السَّمَاءِ فَيَسْلُوكُهُ وَيَسْتَدُ قَابِلِينَ أَطْرَافَهُ ثُمَّ يَعْتَسِلُ مِنْهُ
فَإِذَا خَرَجَ مِنْهُ قَطْرَةٌ مِنْهُ قَطْرَاتٌ مِنْ نُورٍ فَيَخْلُقُ اللَّهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ مِنْهَا
مَلَكَ يُسَبِّحُ لِلَّهِ بِجَمِيعِ تَسْبِيحِ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ -

اللہ تعالیٰ و تبارک کی ایک نہر ہوا میں ہے۔ کہ سب زمینیں بلکرسات دفعہ اس میں سما جائیں۔

اس نہر پر آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے۔ کہ اپنی جسامت سے اسے بھر دیتا ہے۔ اور اس

کے سب کنارے بند کر دیتا ہے۔ پھر اس میں نہاتا ہے جب باہر آتا ہے۔ تو اس سے نور کی

بوندیں ٹپکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ بناتا ہے۔ کہ تمام مخلوقات کی تسبیح کے برابر

میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

علاء بن ہارون سے راوی :

قَالَ يُحْيِي كُلَّ يَوْمٍ الْغَمْسَ فِي الْكُوْتِ ثُمَّ يَنْفِضُ كُلَّ فِطْرَةٍ يَخْلُقُ مِنْهَا مَلَكًا

جبرائیل آئین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز کوثر میں ایک ڈبکی لگا کر پڑھاڑتے ہیں۔ ہر بوند سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔ اس کے بعد بچہ اللہ ایک اور حدیث یاد آئی۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ کتاب الثواب میں امام جعفر صادق اور اپنے والد ماجد۔ وہ اپنے

جد امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی کہ حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔
مَا ادْخَلَ رَجُلًا عَلَىٰ مُؤْمِنٍ سُرُودًا اِلَّا خَلَقَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذَلِكَ الشُّرُودِ
مَلَكًا يَعْبُدُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ وَيُؤَيِّدُهُ فَاِذَا صَارَ الْعَبْدُ فِي قَبْرِهِ اتَّكَأَ
ذَلِكَ الشُّرُودُ الْحَدِيثُ۔

جو کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرے۔ اللہ عزوجل اُس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔
کہ اللہ عزوجل کی عبادت و توحید کرتا رہتا ہے۔ جب وہ بندہ قبر میں جاتا ہے۔ یہ فرشتہ اس
کے پاس آکر کتا ہے۔ کیا مجھے پہچانتا ہے۔ میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلان مسلمان کے دل
میں داخل کی تھی۔ آج میں وحشت میں تیرے دل کو بہلاؤں گا۔ اور تیری محبت تجھے سکھاؤں
گا۔ اور قول ایمان پر تجھے ثابت کروں گا۔ اور قیامت کے ہر مشہد میں میں تیرے ساتھ
رہوں گا۔ اور اللہ عزوجل کے نزدیک تیری شفاعت کروں گا۔ اور جنت میں تیرا مکان
تجھے دکھاؤں گا۔ عرش بڑی عظمت والا ہے۔ بادشاہ عرش عظیم کا رب ملک و روح کریم
کا سب خلق سے چن لینے والا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وہجہ وبارک وکرم واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان قادری۔ ۷ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ

مَا خُوذَا إِذَا الْهَدَايَةَ الْمُبَارَكَةَ فِي خَلْقِ الْمَلَائِكَةِ

— عزرائیل علیہ السلام — عزرائیل علیہ السلام تمام عالم کی ارواح قبض کرنے کے مختار و مجاز ہیں۔ اکثر علماء کرام کی رائے ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ مگر بعض علماء ان چاروں کو ہم رتبہ قرار دیتے ہیں۔ ان چاروں کے علاوہ اور بھی بہت سے فرشتے مقرب اور عظیم الشان ہیں۔ ان میں آٹھ وہ فرشتے ہیں جنہوں نے عرش اٹھایا ہوا ہے۔ ان کی اجسام کی عظمت و قوت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان کی کان کی لو سے لے کر کندھوں تک کا درمیانی فاصلہ دس سو برس کی راہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ فاصلہ سات سو برس کے برابر ہے۔

— فرشتوں کے مقامات —

ہر ایک فرشتے کے لئے خداوند تعالیٰ کے نزدیک ایک مخصوص رتبہ و مقام ہے۔ وہ اس سے تجاوز و ترقی نہیں کرتے۔ جو کمال ان کے مناسب حال پر انہیں عطا کر دیا گیا ہے۔ ان میں تحصیل کمال کے ذوق و شوق کا کوئی دخل نہیں۔ جو چیز ان کے حق میں تو ناامی گئی ہے۔ وہ بالفعل نہیں ہے۔ کیونکہ شوق تو اس پر ہوتا ہے۔ جو حاصل نہ ہو۔ اور مفقود ہو۔ مگر ملائکہ کے ہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں جسے وہ حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ عشق کی دولت سے محروم ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرشتوں کے ہاں خداوند تعالیٰ کی محبت اور معرفت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تحصیل معرفت اور تلاش محبت کی کشمکش کے ذوق سے محروم ہیں۔

— اللہ کے اطاعت گزار —

فرشتے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہو۔ ابلیس کی نافرمانی کی وجہ ہے کہ وہ حقیقت میں فرشتہ نہیں تھا۔ بلکہ خلقی طور پر جن تھا۔ وہ عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شمار کیا جانے لگا۔ انجام کار وہ اپنی فطرت سے نہ رہ سکا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ فرشتے اور جن پیدائشی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ کیونکہ آگ میں نور کی آمیزش بھی ہے۔ اور دھوئیں کی کثافت بھی۔ اگر آگ سے دھواں علیحدہ کر دیا جائے تو نور رہ جاتی ہے۔

— الہامی کتابیں —

اللہ تعالیٰ کی کتابیں بعض رسولوں پر نازل ہوئیں۔ اور تمام انسانوں کو ان کی اتباع کا حکم

ویا گیا۔ ان الہامی کتابوں کی تعداد ایک سو چار تک ہے۔ مگر ان میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں۔ تورات آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تمام اسرائیلی اس کتاب کے تابع ہیں۔ زبور دوسری بڑی آسمانی کتاب ہے۔ جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ انجیل تیسری آسمانی کتاب ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

ان تمام کتابوں میں اللہ۔ اس کے رسول۔ آپ کے صحابہ کا ذکر۔ احوال اور اوصاف درج ہیں۔ سابقہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ حالات۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب و محامد ان کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ پہلی امتیں آپ کے نام مبارک سے بارگاہِ الہی میں تقرب و توسل تلاش کیا کرتی تھیں۔

— قرآن پاک —

قرآن پاک چوتھی آسمانی کتاب ہے۔ جو تمام الہامی کتابوں کا خلاصہ ہے۔ یہ حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اعجاز نظم قرآن پاک کا خلاصہ ہے۔ جو دوسری کتب میں نہیں۔ (کوئی انسان قرآن کی تین آیات کے برابر نہیں بنا سکتا) تورات ضخامت میں اتنی بڑی ہے۔ کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کو یاد نہیں۔ مگر قرآن پاک باوجود اختصار کتب کتابوں سے اعظم و اکمل ہے۔

— متقین کی ہدایت —

قرآن پاک بلاشک و شبہ باعث ہدایت ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اس حیثیت سے کہ کلامِ خداوندی میں برابر ہیں۔ مگر کئی اور وجوہات کی بناء پر ایک دوسری سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جس طرح انبیاء کرام نفسِ نبوت میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اور لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ کی صحیح تصویر ہیں۔ مگر مراتب میں بعض بعض سے افضل ہیں۔ اور نَزَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ کا عکس جمیل ہیں۔

— اسمائے الہی —

اللہ کے نام توقیفی ہیں۔ یعنی سننے پر موقوف ہیں۔ اور شریعت میں منقول ہیں۔ پس جو نام غیر صحیح و صحیح میں آگیا۔ اللہ اسی نام سے پکارا جائے گا۔ اپنی طرف سے اللہ کا نام بنانا۔ اور پکارنا خلاف شرع ہے۔ اگرچہ عقل کے نزدیک ایسے ناموں کا اطلاق کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ اور ادبی لحاظ سے اس کے

معنی اللہ کے نام کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔ مگر ان عقلی اور ادبی اسماء کی شریعت میں کوئی وقعت نہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کو نشانی کہہ سکتے ہیں۔ طیب نہیں کہہ سکتے۔ جو آد کہیں گے سچی نہیں۔ عالم کہیں گے عاقل نہیں کہیں گے۔ یاد رہے کہ ایسی ممانعت صرف نام رکھنے میں ہے۔ صفت بیان کرنے میں نہیں۔ کیونکہ نام کے بغیر کوئی دوسرا نام رکھنا تصرف ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ نام میں تصرف کرے۔ یہ بیان تو محض صفاتی ناموں میں ہے۔ مگر اسمائے اعلام میں کلام نہیں ہے۔

کفار کی زبان پر اللہ کے اسماء سے خدا کو پکارنا نامناسب بات ہے۔ اس میں کفر کا خطرہ رہتا

ہے۔

ننانوے نام۔

ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے۔ کہ اسمائے الٰہی صرف ننانوے ناموں پر منحصر نہیں۔ ہزاروں ایسے نام ہیں۔ جن سے خلقت واقف نہیں۔ شریعت کی اصطلاحات میں بھی صرف ننانوے ناموں کا تذکرہ آیا ہے۔ ان ناموں کی شہرت ایک خاص خاصیت کی بناء پر ہے۔ جو ان میں رکھی گئی ہے حدیث پاک میں ہے۔

إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد رکھے گا۔ جنت میں جائے گا۔

اس کی مثال یوں بھی ہے۔ کہ میرے ہزار سوار ایسے ہیں۔ جو شخص ان سے مدد چاہے۔ وہ مدد کو پہنچیں گے۔ اور جہاں جاتے ہیں فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ کہ بادشاہ کے پاس ہزار سواروں کے علاوہ اور کوئی سوار نہیں۔ بلکہ بادشاہ کے بے شمار سوار ہیں۔ مگر ہزار اس قسم کے ہیں۔ جن کی خاص خاص خاصیت ہے۔ اسی طرح اللہ کے ہزاروں ناموں کے باوجود یہ ننانوے نام اپنی خاصیت کے لحاظ سے جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ کفر اور گناہ بھی اسی کے لہذا اور تقدیر سے ہیں۔ مگر وہ کفر اور گناہ پر رضامند نہیں ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اور گناہ و ثواب اسی کی پیدائش اور تقدیر ہے۔ افعال انسانی بھی دوسری اشیاء کی طرح مخلوق خداوندی ہیں۔ اور

حکم ہوتا ہے ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ۔ غرضیکہ نیکی و بدی ، کفر اور ایمان ، طاقت و عھیان اللہ تعالیٰ کے ارادہ ۔ حکم اور تقدیر سے صادر ہوتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ ایمان اطاعت اور نیکی سے تو راضی ہے ۔ مگر کفر و معصیت سے ناراض ہے ۔

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِكُمُ الْكُفْرَ ۔

اللہ اپنے بندوں سے کفر کرنے پر راضی نہیں ہوتا ۔ کسی چیز کا چاہنا یا پیدا کرنا دوسری بات ہے ۔ مگر کسی بات پر راضی ہونا جدا بات ہے ۔ رضا اسی صورت میں ہوتی ہے ۔ کہ وہ حکم کرے کہ یوں کرو ۔ اگر ایسا بھی ہوتا ہے ۔ کسی حکمت کی وجہ سے حکم کرتا ہے ۔ لیکن اس کے واقع ہونیکو نہیں چاہتا ۔ اور اس کی حکمت اللہ کے بغیر کسی دوسرے کے علم میں نہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے ۔ کہ جیسے ایک مالک اپنے غلام کی نافرمانی اور گناہ کا اظہار کرنا چاہے ۔ غلام کو کسی کام کا حکم دے ۔ مگر یہ نہ چاہے کہ وہ یہ کام کرے ۔ تاکہ اس کا نافرمان ہونا سب پر واضح ہو جائے ۔ اس مقام پر امر و نہی کرنے میں حکمت اور فائدہ نہ ظاہر ہوا ۔ بندوں کی حقیقت جو ازلی علم میں پوشیدہ ہے ۔ وہ کھل جائے اور یہ معلوم ہو جائے ۔ کہ کون کون مطیع فرمانبردار ہے ۔ اور کون کون فاسق و غیر فرمانبردار ہے ۔

— افعال اختیاری —

بندوں کے لئے بعض اختیاری افعال ہوتے ہیں جنہیں سرانجام دینے سے انہیں ثواب حاصل ہوتا ہے ۔ اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے ۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار میں ہے ۔ مگر پھر بھی بندے کو مختار بنایا ہے ۔ وہ ہر کام میں مجبور محض اور مضطر نہیں ہے ۔ ثواب و عذاب اسی اختیار پر منحصر ہے ۔ جو انسان کو حاصل ہے ۔

اس مسئلہ کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے ۔ کہ جبر و اختیار کے معانی سمجھ

لئے جائیں ۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں ۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔

پہلے وہ کام جن کا تصور آتے ہی اگر اس کی طبیعت کے موافق ہو ۔ تو اس کے دل میں اس کام

کے سرانجام دینے کی خواہش پیدا ہو ۔ اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے قدم اٹھائے ۔ لیکن اگر وہ

چیز اس کی طبیعت کے خلاف ہو۔ اور اس کے دل میں نفرت و کراہت پیدا ہو۔ اور اس کے نہ کرنے کی کوشش کرے۔ حالانکہ اس کے کرنے اور نہ کرنے کی خواہش کے پیدا ہونے سے پہلے اس کا کرنا اور نہ کرنا برابر تھا۔ اور ممکن تھا اسے کرتا یا نہ کرتا۔ خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوت قریبہ ہے۔ بالتصور سے ہے۔ جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے۔ آدمی کی اس حرکت کو حرکت اختیاری کہتے ہیں۔ اور جو فعل اس حرکت پر مرتب ہو فعل اختیاری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کام سے پہلے اس کی خواہش و شوق پیدا ہی نہ ہو مگر خواہش کے بغیر ہی رعشہ و اسے کی طرح کوئی حرکت صادر ہو جائے۔ ایسی حرکت کو جبری یا اضطراری کہتے ہیں۔ اندر میں حالات صورت اول کے سامنے اختیار سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے اختیار کا انکار ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہنے لگے۔ کہ انسان کے کان اور آنکھ نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ انسان کی تمام حرکات اور افعال دوسری قسم یعنی تعیش کی طرح ہیں۔ یہ جس سے انکار کرتا ہے۔ جسے کوئی عاقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

یہ شبہ پیش آجاتا ہے۔ کہ انسان کے افعال علم الہی۔ ارادت ازلی۔ اور قضاء قدر کے موافق وجود میں آتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ازل میں جانا اور چاہا کہ فلاں فعل فلاں انسان سے صادر ہو۔ ضرور وہ اس بندے سے ہوگا۔ خواہ بے اختیار ہو۔ جیسے حرکت اضطراری یا اختیار سے ہو۔ اگر فعل اختیاری ہے۔ پس انسان کو ایسا فعل کرنے یا وجود میں لانے کا اختیار نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کام خواہش اور تصور سے کیا جائے۔ وہ اختیار میں داخل ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے۔ کہ انسان کو اگر یہ فعل پر اختیار ہے۔ مگر اس کے مبادی میں یعنی جو موقوف علیہ ابتدائی اس کام کے ہیں۔ اختیار نہیں دیا۔ مثلاً اگر انسان کی آنکھیں کھلی ہوں۔ پھر نہ دیکھے۔ یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ دیکھنے کے بعد اگر وہ شے مطلوب ہے۔ اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ شوق بڑھتا ہے۔ اس کام کی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ لازمی ہے۔ اس طرح انسان کو اختیار ہے۔ اور اپنے اختیار میں اختیار نہیں رکھتا۔ آخر الامر وہی بات پائی جو علما کہتے ہیں۔

لے بندہ اپنے فعل میں مختار ہے۔ مگر خود اختیار میں مجبور ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔

لے اللہ عزوجل نے بندے بنائے۔ اور انہیں کان آنکھ ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ آلات مہوارح

کہ ظاہر میں تو اختیار ہے۔ مگر باطن میں جبر۔ درحقیقت مسئلہ اختیار و قضا و قدر اتنا پیچیدہ ہے کہ عقل

عطا فرمائے۔ اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام کیا۔ اور ان کے ارادے کا تابع و فرمانبردار کر دیا۔ کہ اپنے منافع حاصل کریں۔ اور منہزوں سے بچیں۔ پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا یا عقل کو ان امور کے دراک کی طاقت بخشی خیر و شرف و سرفرازی جو اس ظاہری نہ پہچان سکتے تھے۔ پھر اُسے بھی فقط اپنی سمجھ بڑے کس و بے یاور نہ چھوڑا، منور لاکھوں باتیں ہیں جن کو عقل خود اور اک نہ کر سکتی تھی۔ اور جن کا اور اک ممکن تھا۔ ان میں بغش کرنے ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لیے کوئی زبردست دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی۔ لہذا انبیاء بھیج کر کتابیں اتار کر فرما دیا کہ اس کا حسن و قبح خوب جتنا کر اپنی نعمت تمام و کمال فرمادی۔ کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَكُوْنَنَّ لِلنَّاسِ عَلٰى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُوْلِ۔

حق کا تو راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہو گیا۔ ہدایت و گمراہی پر کوئی پردہ نہ رہا۔

لَا اِكْثٰرَ اَكٰفِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّسُوْلُ مِنَ الْغَيِّ۔

بائیں کسی کا خالق ہونا یعنی ذات ہو یا صفت فعل ہو یا حالت کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباس وجود پسند دینا یہ اسی کا کام ہے یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا اختیار پاسکتا ہے۔ کہ تمام مخلوقات خود اپنی حدود میں نیست ہیں ایک نیست وہ سے کو کیا بہت بنا سکے۔ بہت بنانا اسی کی شان ہے جو آپ اپنی ذات سے بہت حقیقی و بہت مطلق ہے۔ ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور اپنی غنائے مطلق سے عادات اجزا فرمائے کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے۔ اپنے جوارح ادھر پھرے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرمادیتا ہے۔ مثلاً اس نے ہاتھ دے ان میں پھینے، سمٹنے، اٹھنے بھگنے کی قوت رکھی تلوار بنائی بتائی۔ اس میں دھار اور دھار میں ٹاٹ کی قوت رکھی۔ اس کا اٹھنا گانا وار کرنا بتایا۔

دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی۔ اُسے نیک و بد میں تمیز کی طاقت عطا کی۔

شریعت بھیج کر قس و ناسخ کی بھلائی برائی صاف فرمادی۔ زید نے یہی خدا کی بتائی

اس عقده کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ اور بجز عجز و سکوت کے کوئی چارہ کار نہیں۔ بات وہی ہے جو

ہوئی تلوار خدا کے بناٹے ہوئے ہاتھ خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا۔ وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی۔ اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا۔ وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی۔ سب عطا ئے حق تھے اور خود جو ضرب واقع ہوئی۔ بارادہ خدا واقع ہوئی۔ اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا۔ یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا۔ وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس و جن و ملک جمع ہو کر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا درکنار ہر گز جنبش نہ کرتی۔ اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین آسمان پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیلیے پر ڈال دیئے جاتے نام کو بال برابر نہ جھکتی۔ اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا۔ ولید کے جسم تک پہنچتی اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا کہ ولید کے جسم تک پہنچتی اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا۔ گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے۔ ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا۔ لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی۔ گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی ہو گئیں۔ شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں۔ تو زید سے جو کچھ واقع ہوا۔ سب خلق خدا و بارادہ خدا تھا۔ زید کا بیچ میں صرف اتنا کارہا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا۔ اور اس طرف اپنے جوارح آلات کو پھیرا اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے۔ تو زید پر کچھ الزام نہیں رہا۔ بلکہ بارہا ثواب عظیم کا مستحق ہوگا کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا۔ اور اس طرف جوارح کو پھیرا۔ جسے اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا اور اگر قتل ناہق ہے۔ تو یقیناً زید پر الزام ہے۔ اور عذاب الیم کا مستحق ہوگا۔ کہ بغالفت حکم شرع اس شے کا عزم کیا اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا۔ جسے مولیٰ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے واسطے اپنے غضب اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا۔ غرض فعل انصاف کے ارادہ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ یہ نیکی کا ارادہ کرے۔ اور اپنے جوارح کو پھیرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی

قرآن پاک نے بیان فرمائی ہے۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ۔

رحمت سے نیکی پیدا کر دے گا۔ اور یہ بُرے کا ارادہ کرے۔ اور جو ارجح کو اس طرف پھیرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرما دے گا۔ دو پیالیوں میں شہد اور زہر ہیں۔ یہ دونوں خود بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ شہد میں شفا اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اسی نے رکھا ہے۔ روشن و مانع حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے کہ دیکھو یہ شہد ہے اس کے یہ منافع ہیں۔ اور زہر دار یہ زہر ہے۔ اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں۔ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی۔ اور کچھ نے زہر کی۔ ان اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں پیالی اٹھانے منہ تک سے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی۔ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کر کے اندر لینے کی طاقت اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اسی کے مخلوق تھے۔ اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا۔ کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کر لیں گے۔ یا شہد بذات خود خالق نفع ہو جائے گا۔ حاشا ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کی دست قدرت میں ہے۔ اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا۔ وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے۔ کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے یونسی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کر لیں گے۔ یا زہر خود بخود خالق ضرر ہو جائے گا۔ حاشا ہرگز نہیں بلکہ یہ بھی اسی کے قبضہ اقتدار میں ہے۔ اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا وہ نہ چاہے تو سیروں زہر کھا جائے اس کا بال بالکانہ ہوگا۔ بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے۔ بائینہ شہد پینے والے ضرور قابل تحسین و آفرین ہیں۔ بہر حال یہی کہے گا کہ انہوں نے اچھا کیا۔ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ اور زہر پینے والے ضرور لائق سزا و نفرین ہیں۔ ہر ذمی ہوشی ہی کے گناہ یہ بد بخت خود کشی کے مجرم ہیں۔ دیکھو اول سے آخر تک جو کچھ ہوا۔ سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا۔ اور جتنے آلات اس کام میں لیے گئے۔ سب اللہ ہی کے مخلوق تھے۔ اور اسی کے حکم سے انہوں نے کام دیئے جو تمام عقلا کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے۔

وہ مالک علی الاطلاق ہے۔ اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ انسان سے تو پوچھا جاسکتا ہے۔ مگر

اور دوسرے کی خدمت تمام کچھریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں۔ ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی۔ پھر کیوں بناتی ہیں۔ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا۔ نہ زہر میں قوت ہلاک ان کی رکھی ہوئی۔ نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا۔ نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی۔ نہ وہیں خلق ان کے پیدا کیے ہوئے۔ نہ ان میں جذبہ و کشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی۔ نہ خلق سے اتر جانا۔ ان کے ارادے سے ممکن تھا۔ آدمی پانی پیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ خلق سے اترے مگر اچھو ہو کر نکل جاتا ہے۔ اس کا چاہنا نہیں چلتا جب تک وہی نہ چاہے۔ جو صاحب سارے جہان کا ہے۔ اب خلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پیئے والے کا اپنا کوئی کام نہیں۔ خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دورہ کرنا اور دورہ میں تھلب تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادہ سے ہے۔ نہ اس کی طاقت سے بہتر سے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں۔ پھر ہزار کوشش کرتے ہیں۔ جو ہوتی ہے۔ جو کر رہتی ہے۔ اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہو جانا لازم تھا۔ مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے۔ پھر اس سے کیوں باز پرس ہوتی ہے۔ ہاں باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بنا دیئے تھے۔ عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سب نفع نقصان جتا دیئے تھے۔ دست و وہاں و خلق اس کے قابو میں کر دیئے تھے۔ دیکھنے کو آنکھ۔ سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی۔ یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیانی اٹھا کر جام شہد کی طرف بڑھاتا اللہ تعالیٰ اسی کا اٹھنا پیدا کر دیتا یہاں تک کہ سب کام اول تا آخر اسی کی خلق و مشیت سے واقع ہو کر اسے کے نفع کے موجب ہوتے۔ مگر اس نے ایسا کیا۔ بلکہ کاسہ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پیئے کا عزم لایا۔ وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پروا ہے۔ وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے۔ کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرماوے۔ اس نے اسی کا اٹھنا اور خلق سے اترنا دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا۔ پھر یہ کیوں کر بے جرم قرار پاسکتا ہے۔ انسان میں یہ قصد و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی ام ہے۔ جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر

مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال و جواب ایک راز سر بستہ کو معلوم کرنے کے مترادف ہے۔

مجنون ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات ارادی میں ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو ریشہ سے جو۔ ان میں صریح فرق ہے۔ ہر شخص واقف ہے کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا ہے۔ اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمین پر گرتا ہے۔ ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ ہے اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادے سے تھا۔ اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادے و اختیار سے نہیں۔ ولہذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا۔ بس یہی ارادہ یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے۔ عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا یہی مدار امر و منی و جزا و سزا و ثواب و عقاب و پرسش و حساب ہے۔ اگرچہ بلاشبہ بلا ریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا۔ نہ اپنے لیے آنکھ کان ہاتھ پاؤں بان وغیرہ بنا سکتا تھا۔ یونہی اپنے لیے طاقت قوت ارادہ اختیار بھی نہیں بنا سکتا۔ سب کچھ اس نے دیا۔ اور اسی نے بنایا۔ مگر اس سے یہ سمجھ لینا۔ کہ ہمارا ارادہ و اختیار بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو ہم پتھر ہو گئے۔ قابل سزا و جزا و باز پرس نہ رہے۔ کیسی سخت جہالت ہے۔ صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا ارادہ و اختیار۔ تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحب ارادہ صاحب اختیار ہوئے یا مضطر مجبور ناچار صاحبو! تمہاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا یہ کہ وہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی۔ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے سے تمہاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا۔ اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو۔ یہ کیسی الٹی امت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں۔ ان میں نور خلق کیا۔ اس سے ہم انکھیاں سے ہوئے نہ کہ معاذ اللہ اندھے یوحی اس نے ہم میں ارادہ و اختیار پیدا کیا۔ اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے نہ کہ الٹے مجبور۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فرد اختیار بھی اسی کی خلق اسی

مسئلہ جبر و قدر اور علمائے اہل سنت - حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اہل

کی عطا ہے۔ ہماری اپنی ذات سے نہیں تو مختار کردہ ہوئے۔ خود مختار نہ ہوئے پھر اس میں کیا حرج ہے۔ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے۔ نہ جزا و نزا کے لیے خود مختار ہونا ہی ضرور ایک نوع اختیار چاہیے۔

کسی طرح ہو وہ ہدایت حاصل ہے۔ آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر و مثال کافی ہے۔ شہد کی پیالی اطاعت الہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی اور وہ عالی شان حکما انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے۔ کہ اللہ ہی کے ارادہ سے ہوگا۔ اور ضلالت اس زہر کا ضرر پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہوگا مگر اطاعت و اسے تعریف کیے جائیں گے۔ اور تہر و دالے مذموم و ملزم ہو کر نزا پائیں گے پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے یَعْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ باقی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَهُ الْحُكْمُ وَالْيَهُ يَرْجَعُونَ۔

قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کروہاں یہ ضرور فرمایا ہے۔ کہ ہدایت ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے۔ اس کا بیان بھی ہو چکا اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ واضح ہو گا نیز فرمایا ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَّءَ عَلِيْكُمْ ؕ اَنْذَرْتُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرُوْا هُمْ لَا يُوْمِنُوْنَ۔

وہ جو علم الہی میں کافر ہیں۔ انہیں ایک سا ہے چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کے لیے رحمت بھیجے گئے۔ جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا نہایت غم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوتا۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا :

فَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ عَلَىٰ اَنْتَ اَرْهَمٰنٌ لَّمْ يُوْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسْفَا۔

شاید تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیں جاؤ گے۔ اس غم میں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے۔ حضور کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ہوا۔ کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ اور وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے۔ تم اس کا غم نہ کرو۔ لہذا یہ فرمایا کہ تمہارا

طریقت کا امام اور اہل حقیقت کا پیر مانا جاتا ہے۔ حضرت امام اس مسئلہ پر اپنی رائے کا ان الفاظ میں

سمجھانا نہ سمجھانا ان کو یکساں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے حق میں یکساں ہے۔ کہ ہدایت معاً
اللہ امر فضول ٹھہرے۔ ہادی کا اجر اللہ پر ہے۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔
مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۚ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ - إِنَّ أَجْرِي
رَبِّي عَلَى اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اللہ خوب جانتا ہے۔ اور آج سے نہیں ازل الازل سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے۔
اور اتنے چاہ ضلالت میں ڈوبیں گے۔ مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرماتا
کہ جو ہدایت پانے والے ہیں۔ ان کے لیے سبب ہدایت ہوں اور جو نہ پائیں گے۔ ان پر
حجت انہیہ قائم ہو۔ وَلِلَّهِ الْحُكْمُ الْبَاطِنُ مَرُومِي ہے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو مولیٰ عزوجل نے رسول کر کے فرعون کی طرف بھیجا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
چلے تو ندا ہوئی۔ مگر اے موسیٰ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل
میں کہا پھر میرے جانے سے کیا فائدہ ہے۔ اس پر بارہ علمائے ملکہ عظام علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے کہا۔ اے موسیٰ آپ کو جہاں کا حکم ہے جائیے۔ یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آج تک

ہم پر بھی نہ کھلا۔ ابن جریر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما بعث اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ
الصلوٰۃ والسلام الی فرعون لودی لن یفعل فلم قال فناواہ اثنا عشرہ ملکاً من علماء الملئکۃ امض
لما امت ب فانما جمدنا ان نعلم ہذا فلم نعلمہ اور آخر نفع بعثت سب نے دیکھ لیا کہ دشمنان خدا
ہلاک ہوئے۔ دوستان خدا نے ان کی غلامی ان کے عذاب سے نجات پائی۔ ایک جلسے
میں ستر ہزار سائر سجدہ میں گر گئے۔ اور ایک زبان بولے :
اَمْتَابِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ

ہم اس پر ایمان لائے۔ جو رب ہے سارے جہان کا رب ہے موسیٰ و ہارون کا۔ مولیٰ عزوجل
جل قادر تھا۔ اور ہے کہ بے کسی نبی و کتاب کے تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرماوے
وَكُوْنَسَاءُ اللّٰهُ لِحَمَمِهِمْ عَلٰی الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰھِلِيْنَ۔

مگر اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور ہر نعمت میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف

حصہ رکھا ہے۔ وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بھوک ہی نہ لگتی۔ یہ بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف اس کے نام پاک لینے سے۔ کسی کا ہوا سونگنے سے پیٹ بھر جاتا۔ زمین جتنے سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں۔ مگر اس نے یونہی چاہا۔ اور اس میں بھی بے شمار اختلاف رکھا۔ کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے در سے پتے ہیں اور کسی پر اس کے اہل و عیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں۔ عرض ہر چیز میں :

أَهْمُ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ فَنَحْنُ كَسَمْنَا بَيْنَهُمْ

کی نیزگیاں ہیں۔ احمق بد عقل یا اہل بد دین وہ جو اس کے ناموس میں چون و چرا کرے۔ کہ یوں کیوں کیا۔ یوں کیوں نہ کیا سنتا ہے اس کی شان ہے **يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ**۔ اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔ اس کی شان ہے : **إِنَّ اللَّهَ يَخْتَصُمُ مَا يَشَاءُ**۔

وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور سب سے سوال ہوگا۔ زید نے روپیہ کی ہزار ایشیں خریدیں۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں۔ پانسو پانچ خانہ کی زمین اور قد چوں میں کیا۔ اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک مٹی سے بنی ہوئی ایک آوے سے پکی ہوئی ایک روپیہ کی مول لی ہوئی ہزار ایشیں تھیں۔ ان پانسو میں کیا خوبی تھی۔ کہ مسجد میں صرف کیس اور ان میں کیا عیب تھا کہ جاتے نجاست میں رکھیں۔ اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھی۔ میں نے جو چاہا کیا۔ جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا۔ ہمارا اور ہماری جان و مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا مالک ہے۔ اس کے کام اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی۔ کیا کوئی اس کا ہمسریا اس پر افسر ہے۔ جو اس سے کیوں اور کیا کے مالک علی الاطلاق ہے بے اشتراک ہے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔

ذلیل فقیر بے حیثیت حقیر اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے۔ شامت نے گھیرا ہے۔ اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بد عقل بے ادب اپنی حد پر رہ۔ **جَبْتُنَا** معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال صفات میں کیتا۔ وکامل ہے۔ تو تجھے اس

لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلَكِنَّ أَهْلَ بَيْنِ أَهْلَيْنِ - جبر و قدر کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ان دونوں کے مابین یہی

کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال ہے

گدائے گوشہ نشینی تو حفاظت محروم

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

افسوس کہ دنیوی مجازی جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو۔ اور ملک الملوک بادشاہ حقیقی جل جلالہ کے احکام میں رائے زنی کرے۔ سلاطین تو سلاطین اپنا برابر بلکہ اپنے سے بھی کم رتبہ شخص بلکہ اپنا نوکریا غلام جب کسی صفت کا استاد ماہر ہو اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا۔ کہ یہ اتنا ادراک ہی نہیں رکھتا۔ مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہوگا۔ جان سے گا کہ یہ اس کام کا استاد و حکیم ہے۔ میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ غرض اپنی فہم کو قاصر جانے گا۔ نہ کہ اس کی حکمت کو پھر رب الارباب حکیم حقیقی عالم السراطنی عن جلالہ کے اراد میں خوض کرنا اور جو سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر معترض ہونا اگر بیدینی نہیں جنون ہے۔ اگر جنون نہیں بے دینی ہے۔ وَالْعِيسَاءُ ذُبَا لَللّٰهِ سَرِيَتِ الْعَالَمِيْنَ - اے عزیز کسی بات کو حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی۔ دنیا جانتی ہے۔ کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور مقناطیس قوت دیا ہوا لوہا ستارہ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت و کنہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس خاکی لوہے اور اس افلاکی ستلے میں کہ یہاں سے کروڑوں میل دور ہے باہم کیا الفت اور کیونکہ اسے اس کی جہت کا شعور ہے اور ایک ہی نہیں عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفر خاک چھان کر مر گئے اور ان کی کنہ نہ پائی۔ پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آدمی اپنی جان ہی کو بتائے جو کیا شے ہے۔ جسے یہ (میں) کہتا ہے۔ اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس و حرکت رہ جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ فرقان حکیم میں فرماتا ہے :-

وَمَا تَشَاءُ وَاَنْتَ لَا اَنْ تَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ -

تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہان کا اور فرماتا ہے :- هَلْ مِنْ خَالِقِ

غیر اللہ کیا اور بھی کسی چیز کا خالق ہے۔ سو اللہ کے اور فرماتا ہے لہ الخیرۃ۔ اختیار خاص اسی کو ہے اور فرماتا ہے۔ اَلَا لَهٗ الْخَلْقُ وَاَلَا مَرْتَبًا لِّلّٰہِ سَرَبَ الْعٰلَمِیْنَ۔ سنتے ہو پیدا کرنا اور حکم دینا خاص اسی کے لیے ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا۔ یہ آیات کریمہ صاف ارشاد فرما رہی ہیں۔ کہ پیدا کرنا عدم سے وجود میں لانا خاص اسی کا کام ہے۔ دوسرے کو اس میں اصلاً شرکت نہیں۔ نیز اصل اختیار اسی کا ہے۔ نیز بے اس کی مشیت کے کسی کی مشیت نہیں ہو سکتی اور وہی ملک و مولیٰ جل جلالہ اسی قرآن پاک میں فرماتا ہے:

ذٰلِكَ جَزَآؤُنْہُمْ بِبَغْیِہُمْ وَاِنَّا لَصَادِقُوْنَ ؕ

یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ انہیں دیا اور بے شک بالیقین ہم سچے ہیں۔ اور فرماتا ہے۔
وَمَا ظَلَمْنٰہُمْ وَاٰلِکٰنَ کَاۡفِرًا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ۔

ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور فرماتا ہے۔
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّہٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ؕ

جو تمہارا جی چاہے کیے جاؤ۔ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور فرماتا ہے۔
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُکْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِہُمْ سُرَادِقُہَا۔

اے نبی تم فرما دو کہ حق تمہارے رب کے پاس ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کے سراپے دے انہیں گھیرینگے۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ اور فرماتا ہے۔

قَالَ قَرِیْنُهُ رَبَّنَا مَا اَطَعْنٰہُ وَاٰلِکٰنَ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭۃٍ یَّعْبُدِ ؕ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لِذٰلِکَ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعْدِ ؕ مَا یَبْدُلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلّٰمٍ لِّلْعٰبِدِیْنَ ؕ

کافر کا ساتھی شیطان لولا۔ اے رب ہمارے میں نے اسے سرکش نہ کر دیا تھا۔ یہ آپ ہی

فرقہ جبریہ کا مسلک جبر پر ہے۔ ان کے ہاں انسان کو کسی فعل کا اختیار نہیں۔ اس کی ساری دور کی گمراہی میں تھا۔ رب جل جلالہ نے فرمایا۔

میرے حضور فضول جھگڑانہ کرو۔ میں تو تمہیں پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا۔ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔ یہ آیتیں صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے۔ وہ ایک حرام کا اختیار و ارادہ ضرور رکھتا ہے۔ اب دونوں قسم کی سب آیتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں۔ بے شبہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے۔ بیشک بندہ بے ارادہ الہیہ کچھ نہیں کر سکتا اور بیشک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور بیشک وہ اپنی ہی بد اعمالیوں کے سبب مستحق سزا ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں مگر یونہی کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت پر ایمان وہ جو اہل سنت کے سرکار و مولیٰ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے انہیں تعلیم فرمایا۔ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں بطریق امام شافعی عن یحییٰ بن سلیم امام جعفر صادق سے وہ حضرت امام باقر و حضرت عبداللہ بن جعفر طیار و وہ امیر المؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

انہ خطب الناس یوماً (فذكر خطبة ثم قال) فقام اليه رجل فمن كان شهيداً معه الجمل فقال يا امير المؤمنين اخبرنا عن القدس فقال بجر عتيق فلا تلجه قال يا امير المؤمنين اخبرنا عن القدس قال سر الله فلا متكلفه قال يا امير المؤمنين اخبرنا عن القدس قال اما اذا ابيت فانه امر بين امرين لا جبر ولا تفويض قال يا امير المؤمنين ان فلانا يقول بالاستطاعة وهو اضرك فقال علي به فاقاموه فلما رآه سل سيفه قد رابع اصابع فقال الاستطاعة تملكها مع الله ادمن دون الله واياك ان تقول احدهما فتزدد فاضرب عنقك قال فما اقول يا امير المؤمنين قال املكها بالله الذي ان شاء ملكنيها۔

حکومت جمادات کی طرح ہیں۔ فرقہ قدریہ قدرت انسانی پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کلی طور پر

یعنی ایک دن امیر المومنین خطبہ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہ واقعہ جمل میں امیر المومنین کے ساتھ تھے۔ کھڑے ہو کر عرض کی یا امیر المومنین ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا گمراہ اور یہ ہے۔ اس میں قدم نہ رکھ۔ عرض کی یا امیر المومنین ہمیں خبر دیجئے۔ فرمایا اللہ کا راز ہے۔ زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا۔ عرض کی یا امیر المومنین ہمیں خبر دیجئے۔ فرمایا اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دو امروں کے درمیان نہ آدمی مجبور محض ہے۔ نہ اختیار سے سپرد ہے۔ عرض کی یا امیر المومنین فلاں شخص کتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر ہے۔

مولیٰ علی نے فرمایا۔ میرے سامنے لاؤ۔ لوگوں نے اسے کھڑا کیا۔ جب امیر المومنین نے دیکھا۔ تیغ مبارک چار انگل کے قدر نکال لی اور فرمایا کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مانک ہے یا خدا سے جدا مالک ہے۔ اور مستا ہے۔ خبردار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جائے گا۔ اور میں تیری گردن مار دوں گا۔ اس نے کہا یا امیر المومنین پھر میں کیا کہوں۔ فرمایا یوں کہہ اس خدا کے دیٹے سے اختیار رکھتا ہوں۔ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے۔ بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔ بس یہی عقیدہ اہل سنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے۔ نہ خود مختار بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔ اللہ عزوجل کی بے شمار رضائیں امیر المومنین مولیٰ علی پر نازل ہوں۔ کہ ان دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرما دیا۔ ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادۃ اللہ واقع نہیں ہوتے تو کیا کوئی زبردستی اس کی مصیبت کرے گا۔ فرمایا انبعضی قہر یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کر ہی لیا۔ تو اس کا ارادہ زبردست پڑا۔ معاذ اللہ خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں چوروں کا ہتیرا بند و بست کریں۔ پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گزرتے ہیں۔ حاشا وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی قادر مطلق ہرگز ایسا نہیں کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے ایک ذرہ جنبش کر سکے۔ وہ صاحب کہتے ہیں تکاندا القمینی حجوا مولیٰ علی نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہنے بن ہی نہ پڑا۔

مخالفات و اعمال ہے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاں انسان اپنے افعال کا خالق ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ

عمر بن عبید معترنی کہ بندے کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا۔ خود کہتا ہے۔
کہ مجھے کسی نے ایسا الزام نہ دیا جیسا ایکہ مجوسی نے دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا۔ میں
نے کہا تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ کہا خدا نہیں چاہتا۔ میں نے کہا خدا تو چاہتا ہے مگر
شیطان تجھے نہیں چھوڑتا۔ بولا تو میں شریک غالب کے ساتھ ہوں۔ اسی ناپاک شفاعت
کے رو کی طرف موئے اعلیٰ نے اشارہ فرمایا کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت
کرے گا۔ باقی رہا اس مجوسی کا عذر وہ بعینہ ایسا ہے کہ کوئی بھوکا ہے۔ بھوک سے دم
نکلا جاتا ہے۔ کھانا سامنے رکھا ہے۔ اور نہیں کھاتا کہ خدا کا ارادہ نہیں۔ اس کا ارادہ ہوتا
تو میں ضرور کھا لیتا۔ اس احمق سے یہی کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ نہ ہوتا تو نے کاہے سے
جاتا۔ اسی سے کہ تو نہیں کھاتا۔ تو کھانے کا قصد تو کر دیکھ تو ارادہ الیہ سے کھانا ہو جائے
گا۔ ایسی اوندھی مت اسی کو آتی ہے۔ جس پر موت سوار ہے۔ غرض مولیٰ اعلیٰ نے یہ تو اس کا
فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادہ الیہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات کہ سزا و جزا کیوں ہے؟

اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا۔ ابن ابی حاتم و اصمبانی و الامکالی و غلی حضرت امام جعفر
صادق اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں :

قال قيل لعلی بن ابی طالب ان ههنا رجلا ینتکلم فی المشیئة فقال
یا عبد اللہ خلقک اللہ لما شاء اولما شئت ؛ قال لما شاء قال
فیمرضک اذا شاء او اذا شئت ؛ قال بل اذا شاء۔ قال فیمیتک اذا
شاء او اذا شئت ؛ قال اذا شاء۔ قال فیدخلک حیث شاء او حیث
شئت ؛ قال حیث شاء۔ قال واللہ لو قلت غیر هذا لضررت الذی
فیہ عیناک بالسیف۔ ثم تلا علی فما تشاءون الا ان یشاء اللہ هو
اهل التقوی و اهل المغفرة۔

مولیٰ اعلیٰ سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے۔ مولیٰ اعلیٰ نے فرمایا ہے
خدا کے بندے خدا نے تجھے اس لیے پیدا کیا۔ جس لیے اسے چاہا یا اس لیے جس

عنه فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نظریات باطل ہیں۔ اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ سچا مذہب تو ان کے

یے تو نے چاہا۔ کہا جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہے۔ کہا بلکہ جب وہ چاہے۔ فرمایا تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے۔ یا جب تو چاہے۔ کہا جب وہ چاہے۔ فرمایا تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے۔ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کتنا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں۔ یعنی تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔
 ”اور تم کیا چاہو۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقویٰ کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے۔“
 خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا۔ بھیجتے وقت بھی نہ لے گا۔ تمام عالم اس کی ملک ہے اور مالک سے دربارہ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی۔ ایک شخص نے آکر امیر المؤمنین مولیٰ علی سے عرض کی۔ یا امیر المؤمنین مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا اللہ کا راز ہے۔ تجھ پر پوشیدہ ہے۔ اُسے نہ کھول عرض کی یا امیر المؤمنین مجھے خبر دیجئے! فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ خَالِقُكَ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ؟

اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ جیسا اس نے چاہا یا جیسا تو نے چاہا۔ عرض کی جیسا اس نے چاہا فرمایا:

فَيَسْتَعْمِلُكَ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ؟

تو تجھ سے کام ویسا لے گا۔ جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے۔ عرض کی جیسا وہ چاہے فرمایا:

فَيَبْعَثُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ؟

تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے۔ اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے۔ کہا جس طرح وہ چاہے۔ فرمایا:

أَيُّهَا السَّائِلُ تَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

اے سائل تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے۔ مگر کس کی ذات سے کہا۔ اللہ علیٰ عظیم

ماہین اور وسط جبر و قدر ہے۔

کی ذات ہے۔ فرمایا تو اس کی تفسیر جانتا ہے۔ عرض کی امیر المؤمنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے۔ اس سے مجھے تعلیم فرمائیں۔ فرمایا:

أَنَّ تَفْسِيرَهَا لَا يَقْدِرُ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ وَلَا يَكُونُ قُوَّةً فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ فِي الْآخِرِينَ جَمِيعًا إِلَّا بِاللَّهِ -

اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت نہ معصیت کی قوت۔ دونوں اللہ ہی کے دیے سے ہیں۔ پھر فرمایا۔

أَيُّهَا السَّائِلُ أَلَمْ مَعَ اللَّهِ مَشِيئَةٌ أَوْ دُونَ اللَّهِ مَشِيئَةٌ فَإِنْ قَلِبَ إِنْ لَكَ دُونَ اللَّهِ مَشِيئَةٌ فَقَدْ انْتَفَيْتَ بِهَا عَنْ مَشِيئَةِ اللَّهِ وَإِنْ زَعَمْتَ أَنَّ لَكَ فَوْقَ اللَّهِ مَشِيئَةٌ فَقَدْ ادَّعَيْتَ مَعَ اللَّهِ شِرْكًَا كَافِرًا مَشِيئَةً -

اے سائل تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے۔ یا بے خدا کے۔ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے۔ تو تو نے ارادہ الہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی جو چاہے خود اپنے ارادہ سے کرے گا خدا چاہے یا نہ چاہے۔ اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے۔ تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر فرمایا:

أَيُّهَا السَّائِلُ اللَّهُ يَشْفِي وَيُدَاوِي فَمِنْهُ الدَّاءُ وَمِنْهُ الدَّاءُ عَقَلْتَ عَنِ اللَّهِ أَهْرًا -

اے سائل بے شک اللہ زخم پہنچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے۔ تو اسی سے مرض ہے۔ اور اسی سے دوا۔ کیوں تو نے ابتوا اللہ کا حکم سمجھ لیا۔ اس نے عرض کی ہاں۔ حاضرین سے فرمایا:

الآن أسلم أخوكم فقوموا فصافحوا -

اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا۔ کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو۔ پھر فرمایا۔

لوان عندي رجلا من القدرية لاخذ برقبتة ثم لا ازال اخذها حتى

عقل اس توسط کی حقیقت کے دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ فی الحقیقت یہ حیرانی

اقتطعہا فانہم یہود ہذا الامۃ و نصار اہا و ہجو سہا۔

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا تقدیر الہی سے وقوع اطاعت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دو جبار ہوں گا۔ یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں۔ اس لیے کہ وہ اس امت کے یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں۔ یہودی اس لیے فرمایا کہ ان پر خدا کا غضب ہے اور یہود مغضوب حلیم ہیں۔ اور نصرانی و مجوسی اس لیے فرمایا کہ نصرانی تین خدا مانتے ہیں۔ مجوسی یزدان و اہرمن دو خالق جانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لارہے ہیں۔ کہ ہر جن و انس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں۔
والعیاذ باللہ رب العالمین۔

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کافی ودانی و صافی و شافی جس سے ہدایت و اے ہدایت پائیں گے اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ ولہ الحمد واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

ماخوذ: شیخ الصدق و ایمان القدر

اور عجز ان لوگوں کے لیے اور مشکلات پیدا کر دیتی ہے جو بحث و جدال سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ عقل کے معتقدات کو حل کرنا چاہتے ہیں اور جو چیزیں ان کی عقل و خرد میں نہیں آتیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے تو آخری اور قطعی دلیل کلام الہی ہوتی ہے۔ جس میں ہر بات موجود ہے کہ تمام امور خدا کی قدرت اور ارادہ سے ہوتے ہیں باوجودیکہ کہ طاعات و معاصی کی نسبت بندوں کی طرف کر دی جاتی ہے۔

— بندوں کے افعال —

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ .

خدا ان پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ .

اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ اور ان تمام کاموں کو بھی جنہیں تم کرتے ہو۔

ان دونوں آیات میں اعمال کے پیدا کرنے کو اپنی طرف منسوب کیا۔ مگر عمل کے

ارتکاب کو اپنے بندوں سے نسبت دی ہے۔ ایمانی نقطہ نظر سے یہ دونوں باتیں درست ہیں اور یہ بات کتنی درست ہے کہ اللہ ایک چیز کا خالق ضرور ہے۔ مگر اسے کرنا انسان سے ہی وابستہ ہے اس دلیل کے باوجود بھی اس بحر عمیق کی حقیقت و کثرت ہمارے علم سے باہر ہے۔

دوسری یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار سے

ہی ہے۔ لہذا اختیار کا قابل ہونا بڑا ضروری ہے۔ اور اس مسئلہ کو بھی شارع علیہ السلام سے معلوم ہوا ہے۔ جب دونوں نظریات شرع سے حل ہوتے ہیں۔ تو پھر نزاع و جدال کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ دونوں پر ایمان لانا بڑا ضروری ہے۔

— قضا و قدر پر ایمان —

امر متوسط پر ہی اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ فی الحقیقت اس مسئلہ پر غور کرنا اور اس کو عقلی قوت سے حل کرنے کی کوشش کرنا جہالت و گمراہی کی علامت ہے۔ اور کوئی حقیقت موقوف نہیں۔ ہمارے لیے تو بس عمل کرنا ضروری ہے۔ باقی حقیقت حال کا جاننے والا اللہ ہے۔

عذہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نظریات باطل ہیں۔ اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ سچا مذہب تو ان کے

یہ تو نے چاہا۔ کہا جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہے۔ کہا بلکہ جب وہ چاہے۔ فرمایا تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے۔ یا جب تو چاہے۔ کہا جب وہ چاہے۔ فرمایا تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے۔ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کتنا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں۔ یعنی تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔
 ”اور تم کیا چاہو۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقویٰ کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے۔“
 خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا۔ بھیجتے وقت بھی نہ لے گا۔ تمام عالم اس کی ملک ہے اور مالک سے دربارہ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی۔ ایک شخص نے آکر امیر المومنین مولیٰ علی سے عرض کی۔ یا امیر المومنین مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا اللہ کا راز ہے۔ تجھ پر پوشیدہ ہے۔ اُسے نہ کھول عرض کی یا امیر المومنین مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ خَالِقُكَ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ ۚ

اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ جیسا اس نے چاہا یا جیسا تو نے چاہا۔ عرض کی جیسا اس نے چاہا فرمایا:

فَيَسْتَعْمِلُكَ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ ۚ

تو تجھ سے کام ویسا لے گا۔ جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے۔ عرض کی جیسا وہ چاہے فرمایا:

فَيَبْعَثُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ ۚ

تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے۔ اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے۔ کہا جس طرح وہ چاہے۔ فرمایا:

أَيُّهَا السَّائِلُ تَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

اے سائل تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے۔ مگر کس کی ذات سے کہا۔ اللہ علیٰ عظیم

کی ذات ہے۔ فرمایا تو اس کی تفسیر جانتا ہے۔ عرض کی امیر المؤمنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے۔ اس سے مجھے تعلیم فرمائیں۔ فرمایا:

أَنَّ تَفْسِيرَهَا لَا يَقْدِرُ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ وَلَا يَكُونُ قُوَّةً فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ فِي الْآخِرِينَ جَمِيعًا إِلَّا بِاللَّهِ۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت نہ معصیت کی قوت۔ دونوں اللہ ہی کے دیے سے ہیں۔ پھر فرمایا۔

أَيُّهَا السَّائِلُ أَلَمْ مَعَ اللَّهِ مَشِيئَةً أَوْ دُونَ اللَّهِ مَشِيئَةً فَأَنْقَلِبَ إِنْ لَكَ دُونَ اللَّهِ مَشِيئَةً فَقَدْ اكْتَفَيْتَ بِهَا عَنْ مَشِيئَةِ اللَّهِ وَإِنْ زَعَمْتَ أَنَّ لَكَ فَوْقَ اللَّهِ مَشِيئَةً فَقَدْ ادَّعَيْتَ مَعَ اللَّهِ شِرْكًَا فِي مَشِيئَتِهِ۔

اے سائل تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے۔ یا بے خدا کے۔ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے۔ تو تو نے ارادہ الہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی جو چاہے خود اپنے ارادہ سے کرے گا خدا چاہے یا نہ چاہے۔ اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے۔ تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر فرمایا:

أَيُّهَا السَّائِلُ اللَّهُ يَشْفَعُ وَيُدَاوِي قَبْلَهُ الدَّاءُ وَمِنْهُ الدَّاءُ عَقَلْتَ عَنِ اللَّهِ أَهْرًا۔

اے سائل بے شک اللہ زخم پہنچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے۔ تو اسی سے مرض ہے۔ اور اسی سے دوا۔ کیوں تو نے ابتوا اللہ کا حکم سمجھ لیا۔ اس نے عرض کی ہاں۔ حاضرین سے فرمایا:

الآن أسلم أخوكم فقوموا فصافحوا۔

اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا۔ کھڑے ہو! اس سے معاف کرو۔ پھر فرمایا۔

لوان عندي رجلا من القدرية لاخذ برقبتة ثم لا ازال اخذها حتى

عقل اس توسط کی حقیقت کے دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ فی الحقیقت یہ حیرانی

اقتطعها فانهم يهود هذه الامة ونصاراها و مجوسها۔

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا تقدیر الہی سے وقوع اطاعت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دو جبار ہوں گا۔ یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں۔ اس لیے کہ وہ اس امت کے یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں۔ یہودی اس لیے فرمایا کہ اُن پر خدا کا غضب ہے اور یہود مغضوبِ حلیم ہیں۔ اور نصرانی و مجوسی اس لیے فرمایا کہ نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں۔ مجوسی یزدان و اہرمین دو خالق جانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لارہے ہیں۔ کہ ہر جن دانس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں۔
والعیاذ باللہ رب العالمین۔

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ کافی ودانی و صافی و شافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ ولله الحمد والثناء سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

ماخوذ: شیخ الصدق و ایمان القدر

اور عجز ان لوگوں کے لیے اور مشکلات پیدا کر دیتی ہے جو بحث و جدال سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ عقل کے معتقدات کو حل کرنا چاہتے ہیں اور جو چیزیں ان کی عقل و خرد میں نہیں آتیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے تو آخری اور قطعی دلیل کلام الہی ہوتی ہے۔ جس میں ہر بات موجود ہے کہ تمام امور خدا کی قدرت اور ارادہ سے ہوتے ہیں باوجودیکہ کہ طاعات و معاصی کی نسبت بندوں کی طرف کر دی جاتی ہے۔

— بندوں کے افعال —

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ .

خدا ان پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ سَخَّرَ لَكُمْ مِمَّا تَكْفُرُونَ .

اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ اور ان تمام کاموں کو بھی جنہیں تم کرتے ہو۔

ان دونوں آیات میں اعمال کے پیدا کرنے کو اپنی طرف منسوب کیا۔ مگر عمل کے

ارتکاب کو اپنے بندوں سے نسبت دی ہے۔ ایمانی نقطہ نظر سے یہ دونوں باتیں درست ہیں اور یہ بات کتنی درست ہے کہ اللہ ایک چیز کا خالق ضرور ہے۔ مگر اسے کرنا انسان سے ہی وابستہ ہے اس دلیل کے باوجود بھی اس بحر عمیق کی حقیقت و کونہ ہمارے علم سے باہر ہے۔

دوسری یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار سے

ہی ہے۔ لہذا اختیار کا قابل ہونا بڑا ضروری ہے۔ اور اس مسئلہ کو بھی شارع علیہ السلام سے معلوم ہوا ہے۔ جب دونوں نظریات شرع سے حل ہوتے ہیں۔ تو پھر نزاع و جدال کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ دونوں پر ایمان لانا بڑا ضروری ہے۔

— قضا و قدر پر ایمان —

امر متوسط پر ہی اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ فی الحقیقت اس مسئلہ پر غور کرنا اور اس کو عقلی قوت سے حل کرنے کی کوشش کرنا جہالت و گمراہی کی علامت ہے۔ اور کوئی حقیقت موقوف نہیں۔ ہمارے لیے تو بس عمل کرنا ضروری ہے۔ باقی حقیقت حال کا جاننے والا اللہ ہے۔

إِنَّمَا كُنَّا فِرْقًا مِّنْ بَيْنِ مَا خَلَقَ لَهُ۔

عمل کرو۔ ہر شخص اس کام کیلئے آسانی میں رکھا گیا ہے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔
اگر شارع علیہ السلام سے سننے کے بعد تردد اور قلبی خلجان بھی باقی رہے تو اس سے بہتر کسی
اور دین و مشرب کی تلاش کرنا چاہیے۔ (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ) ایمان کی حقیقت بس اسی میں
ہے۔ جب شارع علیہ السلام سے سن لو تو اسے قبول کرنے میں سچکچا ہٹ محسوس نہ کرو۔ لیکن اگر
تم نے اپنی عقل کو ایمان پر مقدم جانا تو تمہارا ایمان عقل پر تو کامل ہو سکتا ہے۔ شارع علیہ السلام
پر نہیں۔

— ہدایت و گمراہی اور مشیت ایزدی :

ہمیں اس مسئلہ (جبر و قدر) کے اثبات میں پہلے سے اسی مسلک پر چلنا چاہیے تھا۔ یہی وجہ
ہے کہ ہم نے اس کتاب کو نہایت معتدل اور اوسط انداز پر سیر و قلم کیا ہے۔ مگر کیا کیا جائے بعض
اوقات قلم کی طغیانی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خداوند تعالیٰ ہمیں خطا و خلل سے محفوظ رکھے۔
وَاللَّهُ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ۔

اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے۔

انسان میں ہدایت و گمراہی کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔ جسے چاہے گمراہ کرے۔ جسے چاہے
راہ ہدایت پر رکھے۔ جسے وہ گمراہ کرے کوئی اسے راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ جسے وہ ہدایت دے کوئی
اسے گمراہ نہیں کر سکتا۔ قرآن و حدیث دونوں سے ہی یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ ہاں قرآن کریم ہدایت
کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے۔ اور گمراہی کی نسبت شیطان اور بتوں کی طرف ہوتی
ہے۔ ہمیں ان دونوں نسبتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

— ہدایت کے معنی —

ہدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک سیدھا راستہ بنانا اور دوسرے سیدھے راستے سے منزل
مقصود تک پہنچانا۔ دوسرے معنی اللہ کی ذات سے مخصوص ہیں۔ اور کسی دوسرے کے اختیار
میں نہیں ہیں۔ مگر ہدایت کے پہلے معنی قرآن حکیم اور نبی علیہ السلام کی ذات سے وابستہ ہیں۔ یہ
دونوں سیدھا راستہ بناتے ہیں۔ مگر سیدھے راستے سے مقصود کی طرف پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْٓ اٰرَآءَكَ لَتَهْدِيْٓ وِوَنُوْنَ وِرْسَتْ هِيْٓ۔ اول الذکر میں نفی اس بات کی ہے کہ اے نبی آپ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ اور ثانی الذکر میں آپ کا ہدایت کرنا ثابت کیا گیا ہے۔ اثبات راستہ بتانے اور اس پر چلانے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کو ہدایت کا سبب اور شیطان کو گمراہی کا سبب بنایا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دینے والا ہے اور وہی توفیق بخشنے والا ہے۔

عذاب قبر:

اہل سنت و جماعت کے اعتقادات میں سے عذاب قبر کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ جو دنیا اور آخرت کے درمیان تعلق کا کام دیتا ہے۔ یہ عذاب کافروں اور فاسق مومنوں کے لیے ضروری ہے۔ یہ لوگ اس عالم برزخ میں محنت و عذاب سے گزریں گے اور خداوند تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ناز و نعمت سے مالا مال ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو جیسے چاہے عطا ان تک پہنچا دینگا۔ منکر اور نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں۔ جو بڑے ہی عظیم ہینتیناک۔ سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہیں۔ وہ قبر میں آتے ہیں۔ اور ہر انسان سے اس کے پروردگار اس کے رسول اور اس کے دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تعلیم کی برکت سے ان کے سوالات کے جوابات حق کے مطابق ہوں گے تو اس شخص کے لیے ناز و نعمت کے دروازے کھل جائیں گے اور وہ نئی دامن کی طرح خواب راحت میں رہے گا۔ اور وہی تنگ و تاریک قبر اس کے لیے جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دی جائے گی اور اگر اسکے جواب صحیح نہ ہوں گے تو اسے عذاب و محنت برداشت کرنا ہوں گے۔ اور اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنا دی جائے گی۔

اس موضوع پر آیات و احادیث ناطق ہیں۔ ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیے۔ اور عذاب قبر کی ساری کیفیتوں کو اللہ کے علم کے حوالے کرنا چاہیے۔ خواہ یہ کیفیتیں عالم برزخ کی زندگی کے متعلق ہوں یا روح کے متعلق ہوں۔ ان کیفیتوں کو جس طرح قادر مطلق چاہتا ہے اور جانتا ہے۔ اسی طرح ہی

تسلیم کرنا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ان چیزوں سے باخبر ہونا ہی کافی ہے۔ ان کا ادراک ضروری بات نہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ منکر و نکیر گناہ گاروں کے لیے میتناک فرشتے بن کر آتے ہیں۔ مگر نیک انسانوں کے لیے بمشتر اور بشیر نامی فرشتے قبر میں آتے ہیں۔ یہ بات سفاہت سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر بہت ہی تھوڑا ہے۔

ان علماء نے یہ بھی کیا ہے کہ چونکہ فرشتے ہر قسم کے لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور ان ہی میں سے بعض لوگ جواب دینے سے قاصر و منکر ہوتے ہیں اور بعض صحیح جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نسبت سے ان کا نام منکر اور نکیر رکھ دیا گیا۔ تاکہ ہر میت پر یہ دونوں فرشتے سوالات لے کر پہنچیں۔ چنانچہ ہر انسان کے نامہ اعمال میں دو فرشتے موکل کی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ اور یہی دو شخص متعدد مقامات میں ایک ہی زمانے میں متمثل ہوتے رہتے ہیں۔ (یعنی ان کی مثالی صورتیں ہر اور ہر زمان میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں)۔

خلاصہ اور بزازی کے مصنف نے اپنے فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ منکر و نکیر کے سوالات میت کے دفن کرنے کے بعد نہیں ہوتے۔ بلکہ ظاہری زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد ہر صورت میں سوال ہوتے ہیں۔ جب میت کو کسی تابوت میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کو وہاں سے منتقل کرنے کی نیت سے کسی دوسرے مقام پر پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کو زندہ بھی کھا جائے تو اس کے پیٹ میں ہی اس سے سوال کر لیے جاتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کرام سے قبر میں سوال نہیں کیے جاتے اور اگر ان سے استفسار کیا بھی جاتا ہے۔ تو صرف ترحید اور احوال امت پر ہی استفسار کیا جاتا ہے۔ اور اس استفسار میں بھی انبیاء کرام کا شرف و تعظیم برقرار رکھا جاتا ہے۔

— اطفال مومنین سے سوال

مومنین کے چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ ان سے سوال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ملائکہ ان سوالات کی صورت میں انہیں تلقین کرتے ہیں کہ وہ کہیں کہ اللہ ربی“ و ”دینی الاسلام و نبی محمد، یا اللہ تعالیٰ انہیں العمام کرتا ہے تاکہ

وہ ان سوالات کا ایسے ہی جواب دیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگوڑے میں دینے تھے۔

— اطفال مشرکین سے سوال

مشرکین کے اطفال کے متعلق امام ابوحنیفہ نے توقف کیا ہے اور انہوں نے دلائل میں تعارض کی وجہ سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور ان کے ثواب و عذاب کے متعلق بھی کوئی واضح رائے قائم نہیں کی۔ لیکن بعض علما کا خیال ہے کہ ایسے بچے دوزخ میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں۔ کہ بہشت میں۔ محمد بن الحسین فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے گناہ عذاب نہیں کرتا اس لیے یہ بچے مسئلہ نہ ہوں گے۔

جنوں سے بھی قبر میں سوال کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے متعلق بہت سی دلیلیں پائی جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مسلمان جنوں کے ثواب کی کیفیت کے متعلق توقف کرتے ہیں۔ مگر کافر جنوں کے متعلق معذب ہونے پر اتفاق کرتے ہیں۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یقینی کافر سے سوال نہیں ہوگا اور اسے سوال کے بغیر ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ مگر منافق سے سوال کیا جائے گا۔

بعض تیارین حدیث نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ مومن جو شہید ہوئے یا اللہ کے راستے میں قربان ہوئے یا جمعہ اور جمعرات کو فوت ہوئے یا جو لوگ ہر رات سورۃ ملک پڑھتے رہے یا استسقا اور اسہال کی بیماری سے مرے یہ بھی سوالات قبر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ ترمذی اور ابن عبد البر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ سوال قبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت عظمیٰ کے خواص میں سے ہے۔ ان کی رائے ہے کہ عالم برزخ میں ان کے عذاب میں جلدی کرنے میں حکمت یہ ہے۔ کہ ان کے گناہوں کو جلدی سے جلدی محو کر دیا جائے تاکہ وہ قیامت کے دن تمام گناہوں سے پاک ہو کر میدان حشر میں پہنچیں۔ یہی بات شرح عقیدہ طحاوی میں بیان کی گئی ہے۔

— عذاب قبر

التراحادیت میں آیا ہے کہ گنہگار کی قبر میں ستر اڑوہا اور بچھو ہوں گے۔ اور ان کے زہر کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ اگر ان میں سے ایک بھی ڈسے تو دنیا کے تمام درخت جل کن خاکستر ہو جائیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سانپ اور بچھو انسان کی صفات ذمیرہ افعال قبیحہ اور دنیاوی تعلقات کی تمام صورتیں ہیں۔ جنہیں عالم قبر میں سانپ اور بچھوؤں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہ ستر کے اعداد کا

ذکریا تو کثرت کے لیے بیان کیا گیا ہے یا اصول صفات کے اعداد پر شارع علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

اس قسم کی چیزوں کے اعتقادات اور ایمان کے متعلق مجبّر صادق نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ دو طریقوں پر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سانپ اور بچھوؤں کا وجود اور ان کا میت کو ڈسنا امر واقع ہے اور یہ ایسی چیزیں اکثر مشاہدے میں آئی ہیں۔ لیکن بعض اوقات ہماری آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ اس دنیا میں ظاہری آنکھوں کے ساتھ عالم ملکوت کے مشاہدہ پر انسان کے اختیار میں نہیں۔ مگر وہ لوگ جن کی نگاہ عالم ملکوت کا مطالعہ کر سکتی ہے۔ ان کے لیے یہ چیزیں عیاں ہیں۔ چنانچہ بعض انبیاء اور اولیاء نے جبرائیل علیہ السلام کو عمومی شکل میں دیکھا۔ اور خصوصی شکل میں آنحضرت کے بغیر انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ سکا۔ ایسا دیکھنا اور مخلوقات کو دکھانا قدرت الہی کا کرشمہ ہے۔ خواہ یہ جسمی حالت میں ہو یا روحانی صورت میں۔ اگر کسی کے سامنے پہاڑ بھی رکھ دیا جائے اور اس نے آنکھیں بھی کھول رکھی ہوں۔ اگر خدا اس پہاڑ کو نہ دکھائے تو نہیں دیکھ سکتا اور اگر وہ دکھائے تو ارواح کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان کا امتحان اعتقاد کی صحت اور رسول اللہ کی متابعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس بات پر اعتقاد رکھا جائے کہ ان سانپوں اور بچھوؤں کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے خواب میں دیکھا جائے۔ کیونکہ سانپ اور بچھو اور ان کا کاٹنا اور اس سے درد محسوس کرنا صرف سونے والے کے ہی اندازے میں ہوتا ہے اور اس پر جو کچھ گذرتی ہے وہ اسے محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ اس کیفیت کو دوسرے لوگ محسوس نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ دوسرا طریقہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ جب کہ پہلا کامل ایمان کی نشانی ہے۔

— موت کے بعد زندگی

مردوں کو قبر سے اٹھانا اور انہیں دوبارہ زندگی دینا برحق ہے۔ قرآن و حدیث ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔ اور دین اسلام کے اعتقاد کا دار و مدار بھی اسی مسئلہ پر ہے۔ جس ذات نے بالکل عدم سے ساری چیزوں کو زندگی دی اور کتم عدم سے وجود بخشے۔ وہ دوسری بار بھی اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ پیدا کر سکے۔

هُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْنَهُ۔

حقیقت میں انسانی زندگی کی نشوونما کو باقی رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے نسل انسانی کو عجب الذنب کی صورت میں باقی رکھا جائے گا۔ اور جس طرح صحرا و بیابان میں بارش کے بعد خود روگھاس نمودار ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن انسان بھی قبروں سے نمودار ہوں گے۔

احادیث میں آتا ہے۔ بارش آسمان سے ہوتی ہے۔ مگر مڑے زمین سے نمودار ہوں گے۔ انسان کے علاوہ تمام حیوانات مثلاً وحشی جانور۔ پرندے۔ چرندے اور حشرات الارض بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ تاکہ حکیم مطلق ایک دوسرے سے انتقام ولا سکے۔ حدیث احمد و مسلم میں آیا ہے کہ قیامت کے دن خدا کی مخلوق ایک دوسرے سے انتقام لے گی جتنی کہ بے سینگ بکری اس بکری سے انتقام لے گی۔ جو زندگی میں اپنے سینگوں سے زیادتی کرتی رہی۔ جتنی کہ ایک اونٹنی اسی حیونیٹی جسے ناتق تنگ کیا گیا تھا۔ انتقام لینے کی مجاز ہوگی۔ چونکہ ایسے انتقام میں کسی قسم کا اختصاص نہیں ہوگا۔ اس لیے بعض علمائے رائے قائم کی ہے۔ کہ ایک بچہ دوسرے بچے سے بھی انتقام لے سکے گا۔ اس قصاص گیری و انتقام پذیری کے بعد تمام حیوانات کو معدوم کر دیا جائے گا۔ جو حیوانات انسانی غذا کے کام آئے۔ انہیں خاک جہاں بنا دیا جائے گا۔

بعث و نشور کا آغاز نفع بصور سے ہوگا۔ سب سے اولین صور قیامت برپا ہونے کے ساتھ ہی پھونکا جائے گا۔ جس سے اہل زمین و آسمان میں وحشت طاری ہو جائے گی۔ اور اس طرح خوف و ہراس پیدا ہوگا۔ دلوں کا سکون اور اطمینان ختم ہو جائے گا۔ اور تمام جان دار چیزیں مرجائیں گے۔

يَوْمَ يُفْتَنُ فِي الصُّورِ قَوْمٌ مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اَلَا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ

جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان سے تمام چیزیں معدوم ہو جائیں گے۔ مگر جنہیں اللہ چاہے۔

وَيُفْتَنُ فِي الصُّورِ قَصِيعٌ مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اَلَا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ

جب صور پھونکا جائے گا۔ زمین و آسمان کی ہر چیز ختم ہو جائے گی مگر جنہیں اللہ چاہے۔

دوسری بار جب صور پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ اور ادھر ادھر پھیلتے

جائیں گے جیسے کہ اس آیت شریفہ میں ہے۔

ثُمَّ نَفَخَ فِيهِمُ أُخْرَىٰ وَأَذَاهُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ -

پھر دوسری بار پھونکا جائے گا۔ تو سب لوگ کھڑے ہوں گے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

وَنَفَخَ فِي الصُّورِ ذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ -

ان دونوں کیفیات کا درمیانی عرصہ چالیس سال ہوگا۔

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

کے حکم عام سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے۔ کہ نفعِ صور کے اثرات زمین و آسمان کی تمام

مخلوقات پر یکساں ہوں گے۔ انسان، جن اور فرشتے بھی اسی زد میں آئیں گے البتہ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ

میں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل حور و خرنم و حملہ عرش اور شہدا آتے ہیں۔

— قیامت کیا ہے

کبھی تو نفعِ صور کو قیامت کہا جاتا ہے۔ مگر بعض نے ابتدائے موت سے لیکر و خولِ جنت

تک کے سارے عرصہ کو قیامت تعبیر کیا ہے۔ حقیقت میں اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے۔ ہر روز ایسے حالات

انسانوں پر گذرتے رہتے ہیں۔ لیکن لوگ پھر بھی روزِ قیامت کے حالات سے غافل و بے خبر

ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے۔ کہ جس وقت شام آتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں غم و اندوہ و وحشت

و خوف چھا جاتا ہے۔ تمام پرندے اور حیوانات اپنے اپنے آشیانوں اور پناہ گاہوں میں آکر گھس

جاتے ہیں۔ اور رات کو نیند کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان پر ایک قسم کی موت طاری ہو جاتی

ہے۔ یہ نفعِ اولین کا معمولی سا اثر ہے۔ پھر نمودار ہوتے ہی تمام جان دار بے اختیار بیدار ہو کر اپنے

اپنے کاروبار کے لیے ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔ یہ نفعِ ثانی کی علامت ہے اور نشور ظاہر ہوتا ہے۔

نَسْبَحَانَ الْقَادِرِ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ -

— میزانِ عدل

قیامت کے دن انسانوں کے اعمال و افعال کی چھان بین اور پھر ان کا وزن ہوگا۔ اگرچہ اللہ

تعالیٰ تمام افعال و اعمال کو پوری طرح جانتا ہے۔ مگر پھر بھی وزنِ اعمال میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ایک حکمت تو یہ ہے۔ کہ اس طریقہ سے انسان پر اپنے اعمال کی حقیقت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔ اور

دوسری حکمتوں کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اور وہی خوب جانتا ہے۔ ہمیں صرف اس میزان

اور اعمال کے میزان کی کیفیت معلوم کرنا ضروری نہیں۔ صرف اسے تسلیم کرنا ہی ایمان کے لیے کافی ہے۔

میزان کے متعلق یہ بات تحقیق سے کہی جاسکتی ہے۔ وہ حقیقی ترازو ہے۔ اس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی اور ایک سوئی جس سے وزن دیکھا جاسکے ہے۔ ہر پلڑے زمین و آسمان کی وسعتوں سے کہیں زیادہ ہوگا۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اگر زمین و آسمان اور ان کی ساری موجودات کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو سما جائے گا۔ نیکیوں کا پلڑا عرش کی دائیں جانب جنت کے دروازہ کے عین سامنے ہوگا۔ اور گناہوں کا پلڑا عرش کی بائیں جانب دوزخ کے بالکل سامنے ہوگا۔

بعض علمائے کرام نے کہا ہے کہ میزان سے مراد ایک چیز ہے جس سے اعمال کا اندازہ کیا جاسکے۔ خواہ میزان کی شکل و صورت کچھ ہی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن عدل کو ظاہر کیا جائے میزان تو اس کی تمثیل ہے۔ یہ علمائے کرام کی یہ رائے محض تاویلی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میزان کا وجود محض تمثیلی ہی نہیں حقیقی ہے۔ اور احادیث اس پر شاہد ہیں۔ اس پر ایمان لانا چاہیے اور عقلیات کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔

جن اعمال کو تولا جائے گا۔ ان کی ایک صورت تو یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کو نورانی صورتوں میں ظاہر کرے گا اور برائیوں کو ظلماتی اجسام میں روٹا کرے گا۔ اور اسی طرح وزن کیا جائے گا۔ اعمال کے صحیفے بھی تولے جائیں گے۔ اور وہ صحیفے انسانوں کے اعمال کے پیش نظر ہلکا یا بوجھل کر دیں گے۔ بطاقت کی حدیث اس مسئلہ کی وضاحت کرتی ہے۔ بطاقت کاغذ کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کسی سامان کی قیمت درج کی جائے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اگر کسی کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ تو اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ کر رکھ دیا جائے گا۔ وہ پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ بعض علمائے کرام نے ان دونوں حدیثوں کو تطبیق دے کر بیان کیا ہے۔ کہ اعمال اور صحائف دونوں تولے جائیں گے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ

میں موازنیں یعنی بہت سے ترازوں سے مراد یہ ہے کہ ہر امت ہر جماعت کے ہر عمل کے

یہ ترازو ہوگا۔ اور کوئی چیز یا انسان اس میزان عدل سے نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ اس ترازو کی عظمت اور کثرت اجزا کی بنا پر بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

اس شخص کے اعمال کا میزان عدل پر لانا جس سے ایک بھی نیکی سرزد نہ ہوئی ہو۔ یا وہ ایک بھی برائی کا مرتکب نہ ہو۔ اطہار رسوائی۔ اور اطہار شرافت کے لیے ہوگا۔ کافروں کے اعمال تو نئے میں بھی حکمت ہے۔ ورنہ کفار کے پاس نیکیاں کہاں ہیں۔ جن کا وزن کیا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض کفار کی بعض خصلتیں ان کے عذاب میں تخفیف کا سبب بن سکیں۔ کہتے ہیں۔ آخرت کے ترازو کا بکایا بھاری ہونا۔ دنیا کے ترازو کی طرح نہیں ہوگا۔ جو پلڑا اوپر کواٹھ جائے گا اسے بھاری سمجھا جائے گا۔ اور جو نیچے رہے گا۔ اسے ہلکا تصور کیا جائے گا۔ لیکن بلاقہ کی حدیث اس بات کی تردید کرتی ہے۔

اعمال نامے

وہ اعمال نامے جن میں انسانوں کے گناہ و ثواب درج ہیں۔ حق ہیں۔ مومنوں کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور کافروں کو بائیں ہاتھ میں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مومنوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ اور کفار کو ان کے بائیں ہاتھ پس پشت دیئے جائیں گے۔ ان کا بائیں ہاتھ ان کی پشت سے چٹا ہوگا۔ بعض کفار کے بائیں ہاتھ سینے سے پھپھی طرف چٹا دیئے جائیں گے۔ یہ بات مومن و کافر میں تمیز کرنے کے لیے کی جائے گی۔ تاکہ مومن کی عزت اور کافر کی رسوائی کی جائے۔

گنہگار مومن کے معاملہ میں علمائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ مگر یہ انعام سزا بھگتنے اور دوزخ سے برآمد ہونے کے بعد ہوگا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اعمال نامے تو دائیں ہاتھ ہوں گے مگر وہ پڑھ نہیں سکیں گے۔ مگر دوزخ سے نکلنے کے بعد ہی پڑھ سکیں گے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ان

لَهُ فَأَمَّا مَنْ نَقَلَ مَوَازِينَ فَمُهَوِي عَيْشِهِ رَاضِيَةً وَأَمَّا مَنْ حَقَّتْ مَوَازِينُهُ فَأَمَّا هَكَذَا

(جس کے اعمال کا وزن بھاری ہو گا وہ آرام کی زندگی حاصل کریں گے اور جن کے وزن ہلکے

ہیں۔ وہ دوزخ میں رہیں گے) میں ایسے ہی صحائف کا اشارہ ہے۔ (مترجم)

لوگوں کو نہ بائیں ہاتھ نہ دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ بلکہ ان کے سامنے رکھے جائیں گے بعض علما کی تحقیق یہ ہے کہ اعمال نامے دینے کی بجائے ان لوگوں کو پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے۔ حق بات یہ ہے کہ اس ضمن میں کوئی نص صریح موجود نہیں۔ اور مندرجہ بالا اختلاف فحش اجتہاد و استنباط کی بنا پر ہے۔ حساب اعمال بھی یقینی چیز ہے جس طرح نامہ اعمال حق ہے ویسے ہی اس کا حساب بھی حق ہے۔

— سوالات و استفسارات

خداوند تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ دریافت کرنا کہ انہوں نے کیا کیا نیک کام کیے اور کن کن برائیوں کے مرتکب ہوئے حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سب سے پہلے جبرائیل امین سے سوالات کیے جائیں گے۔ کہ انہوں نے وحی کی امانت پیغمبران خدا تک کس طرح پہنچائی۔ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ سب سے اول لوح محفوظ سے سوال ہوگا۔ جب اسے حاضر کیا جائے گا۔ تو وہ ہمیت خداوندی سے کانپ اٹھے گی۔ اور پوچھا جائے گا کہ تم نے علوم الہیہ کو جبرائیل تک پہنچانے کی صفائی میں تمہارا کون گواہ ہے۔ وہ کہے گی کہ میرا گواہ اسرافیل ہے۔ جب اسرافیل کو حاضر کیا جائے گا تو وہ بھی ہمیت الہی سے لرزہ بر اندام ہوگا۔ پھر پیغمبروں کو لایا جائے گا۔ اور ان سے تبلیغ وحی اور امانت رسالت کے متعلق سوالات کیے جائیں گے۔ عبادات میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ اور معاملات میں خون کے متعلق پوچھا جائے گا۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے حوالے کی جائیں گی۔ اور مظلوم کی برائیاں ظالم پر رکھی جائیں گی۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک دانگ (چھرتی وزن) کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی۔ بعض روایتوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہوگا۔ اور اس نے نصف دانگ دینا ہے۔ تو جب تک اپنے اس قرصن خواہ کو راضی نہ کر لے گا۔ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

غیب بات ہے۔ کہ ایسا دن درپیش ہو۔ اور انسان بستر راحت پر دراز ہو کر کھتا رہے۔ جو میرے پاس ہے دوسرے کے پاس نہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں دوسرا نہیں جانتا۔ عوام غفلت کا شکار ہیں۔ علماء بخت و مناظرہ میں الجھے ہوئے ہیں۔ صوفیاء فخر و مباہات کے دعوے کر رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں کچھ خبر نہیں کہ آخرت میں ان سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ اپنی بے

خبری میں اس قدر غافل ہیں کہ انہیں کچھ اندازہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ اور انہیں کیسے سخت دن کا سامنا ہے۔ وہ سارا دن باتیں کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ اور آخرت اور موت کی فکر سے دور ہو چکے ہیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اے بندگانِ خدا! اب رحمتِ خداوندی کی تلاش کرو۔ اگر وہ چاہے گا تو ان بدعیانِ عصر حاضر کو دور سے جنت دکھا کر راضی کر دے گا۔ اور فرمائے گا۔ اس کو کون خرید سکتا ہے۔ وہ اعتراف کریں گے۔ اے اللہ! اسے کون خرید سکتا ہے۔ اس قدر مال و دولت کس کے پاس ہو سکتا ہے۔ اللہ کہے گا۔ تم خرید سکتے ہو۔ کیونکہ اس کی قیمت تمہارے پاس موجود ہے۔ اگر اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو بخش دو۔ اور اسے معاف کر دو۔ تو جنت تمہارے لیے ہے۔ رحمتِ خداوندی کا یہ اعلان سننے کے بعد وہ اپنے حق بخش دیں گے اور جنت حاصل کر لیں گے۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ قیامت کے دن سوالات کرتے وقت اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو رحمت کے پردے میں ڈھانپ لے گا۔ اور ان سے اس انداز سے سوال کیے جائیں گے کہ غیروں کو خبر تک نہ ہو گی۔ اور فرمائے گا جس طرح دنیا میں ہم نے تمہارا گناہوں کو پردہ انھما میں رکھا تھا۔ اسی طرح آج اپنی رحمت سے بخش دیا ہے۔ ان کے نیک اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں پکڑا دیئے جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں کو رسوا کیا جائے گا۔ اور یہ اعلان کیا جائے گا۔

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ - فَسُبْحَانَ ذِي الْعَدْلِ الْقَوِيِّ الْفَضِيلِ الْعَظِيمِ۔

اگرچہ اس کی رحمت اپنا کام کرتی ہے۔ مگر اس کی عدالت سے ڈر بھی آتا ہے۔

۵ اگر دروہدیک صلا سے کرم

عزرا نزل گوید نصیبے کرم

اس شعر کے بعد ہمیں اس شعر کو بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

۵ بہ تہدید اگر برکت تیغ حکم

بمانند کرد و بیاں صمم و بکم

قرآن میں آتا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ .

اور ایک دوسری جگہ آتا ہے ۔

لَا يُسْأَلُ عَنَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْتَلُونَ .

عجز و حیرت اور بچاؤ کے بغیر چارہ کار نہیں ۔ ہمیں دونوں چیزوں پر ایمان رکھنا چاہیے مالک

اور حاکم تو وہی ہے ۔

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ .

— حوض کوثر

حوض کوثر کا وجود و قیام حق ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن

حوض کوثر کا مالک و مختار بنا دیا ہے ۔ اور

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ .

ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ۔

اسی بات کی طرف اشارہ ہے ۔ حوض کوثر کی وسعت ایک ماہ کے سفر کے برابر ہوگی ۔ اس

کا پانی دودھ سے سفید تر اس کی خوشبو مشک سے نفیس تر ۔ اس کے کوزے ستارہ ہائے آسمان

سے روشن تر ہوں گے ۔ ایک دفعہ پانی پی لینے کے بعد دوسری بار پیاس محسوس نہ ہوگی ۔ حوض کی

وسعت و طوالت کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں ۔ اور اس میں مخاطبین کا اپنا طرز پیمائش ملحوظ

رکھا گیا ہے ۔ چنانچہ اہل یمن کو بتایا گیا ۔

صنعا دالی عدت یعنی حوض کوثر یمن کے شہر صنعا سے لے کر عدن تک ہوگی ۔

شام والوں کو اس کی وسعت کا اور انداز سے بیان فرمایا ۔ ہر شخص کے سامنے اس کی وسعت

اور طوالت کو اس پیمانہ سے بیان فرمایا گیا جس سے وہ واقف اور آشنا تھا ۔

بعض احادیث میں اس کی وسعت کو وقت کے حساب سے بیان فرمایا گیا ہے ۔ جیسا کہ ہم

اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حوض کی وسعت ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہوگی ۔ ان تمام روایات سے

اصل مقصود یہ ہے کہ حوض کوثر کی وسعت اور عظمت کی وضاحت کی جائے ۔

بعض علماء نے کہا ہے ۔ کہ قیامت کے دن پہنچنے والوں کو اس کے حسب مراتب و شان حوض

کوثر دیا جائے گا۔

قرطبی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے پاس دو حوض ہوں گے۔ دونوں کے نام کوثر ہی ہوں گے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساقی حوض کوثر ہوں گے۔ آج جوان کی محبت میں یراب اور ان کے دیدار کا پیاسہ نہیں ہے۔ اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ حوض کوثر سے پانی پی سکے ایسی روایات بہت ملتی ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں۔ آب کوثر سے اس کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

— پل صراط

پل صراط حق ہے۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کی لپشت پر ایک راستہ بنائیں گے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر ہوگا۔ اور تمام مخلوقات کو حکم دیا جائے گا کہ اس پر سے گزریں۔ بہشت والے اسے عبور کر جائیں گے اور بہشت میں پہنچیں گے۔ بعض لوگ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گزریں گے۔ اور بعض تیز و تند ہوا کی طرح بعض سبک رفتار گھوڑے کی طرح غرضیکہ ہر شخص حسب مراتب اس راستے سے گذرتا رہے گا۔ دنیا میں دین اور انصاف کا راستہ اسی پل صراط کی تمثیل ہے۔

دوزخیوں کے پاؤں ٹکھڑا جائیں گے۔ اور وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔ قرآن پاک کا یہ ارشاد **وَإِنْ قَمِنْتُمْ لَوَادِدْهَا** اسی مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ پل صراط پر سے گذرنا ہر ایک کے لیے عام ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پل صراط سے گزریں گے۔

بعض اہل دل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پل صراط سے گذرنے میں یہ حکمت ظاہر کی ہے۔ کہ آپ اپنے بعض گنہگار امتیوں کو جو بد قسمتی سے دوزخ میں گرفتار ہوں گے۔ جمال باکمال سے ایام فراق کی غمگساری فرمائیں گے۔ ایک روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے عموم سے مخصوص ہیں۔ آپ کھڑے ہوں گے اور دیکھتے رہیں گے تاکہ ساری امت آپ کے سامنے سے گذرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ

آگ سے گزریں تو وہ بھی اہل ایمان کے لیے گلستان بن جائے گی۔ ایک عام مومن کے گزرنے سے آگ فریاد کر کے کہے گی۔

جُزِيََا مَوْمِنٌ مِّنْ قِيَاتٍ تُورِكُ اَطْفَالَ لِهَيْبِيْ -

اے مومن جلدی سے گزرو۔ تمہارے نور ایمان نے میرے شعلوں کو مدھم کر دیا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نور الانوار المؤمنین ہیں کے سامنے آگ کی کیا حقیقت ہوگی۔ آپ کے نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ فرما کر کس طرح آگ کو گلزار بنا دیا۔ اور جب وہ نور مجسم بے واسطہ خود تشریف لائیں گے۔ تو اس کا کیا اثر نہ ہوگا۔

— شفاعت رسول اللہ

انبیاء کرام اولیائے عظام صلحائے امت علمائے دین اور ملائکہ مکربین کو بارگاہ الہی میں جو عزت و آبرو حاصل ہے اس کے پیش نظر گنہگاروں کے لیے ان کا مغفرت چاہنا برحق ہے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھلوائیں گے۔ جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضور بارگاہ الہی میں کس قدر محترم اور مکرم ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ آپ اس خاص دن کے لیے کتنے جاہ و جلال کے مالک ہیں۔ جب ساری دنیا کے انسان خوف اور وحشت کی وجہ سے میدان حشر میں حیران و پریشان ہوں گے۔ اور آرزو کریں گے کہ کوئی ایسا شفیع ہو جو انہیں عذاب سے نجات دلائے اور اس پریشانی کا مداوا بن جائے۔ سب سے پہلے یہ لوگ حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ نسل انسانی کے باپ ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا تھا۔ بہشت میں بہترین جگہ دی تھی۔ مسجود ملائکہ بنایا۔ تمام اشیاء کے اسماء سکھا دیئے۔ آپ اس مشکل دن میں ہماری شفاعت کریں۔ حضرت آدم فرمائیں گے کہ اس مقام پر کھڑے ہونا اور بارگاہ ایزدی میں آج کے دن دم مارنا میری طاقت سے باہر ہے۔ مجھے ابھی تک دانہ گندم کی یا شجرہ ممنوعہ کی شرمندگی سر اٹھانے نہیں دیتی۔ میں خدا کے فرمان کے باوجود خطا کا مرتکب ہوا۔ تمہارا یہ کام شائد حضرت نوح سے بن پڑے۔ لوگ حضرت نوح کے پاس آئیں گے اور حضرت نوح انہیں حضرت ابراہیم کی طرف جانے کا مشورہ دیں گے۔ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ کے پاس وہ حضرت عیسیٰ کی طرف پہنچنے کی سفارش کریں گے۔

یہ اولوالعزم رسول اپنی ان غلطیوں سے شرمسار ہوں گے جو زندگی میں ان سے سرزد ہوئیں۔ اور کوئی بھی اس مقام کی وہشت سے آگے بڑھنے کی جرات نہ کر سکے گا جتنی کہ ساری مخلوق حضرت خاتم الانبیاء سید الرسل شفیع روز عشر و مکرم بخطاب لِعَفْرِ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ہیں۔ کی بارگاہ میں آئیں گے اور اپنا حال بیان کریں گے۔ آپ اٹھیں گے اور بارگاہ رب العزت کے سراپردہ جلال میں آئیں گے۔ اور وہ مقام محمود جس کا دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا۔

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا

آپ کے بغیر اس مقام پر کسی کا کھڑا ہونا ممکن نہیں۔ آپ اٹھیں گے۔ اور سجدے میں گر جائیں گے۔ حکم ہو گا کہ سجدہ سے سر اٹھائیے آپ جو کچھ چاہتے ہیں پورا کر دیا جائے گا۔ جو کچھ کہیں گے اسے مانا جائے گا۔ آپ سجدے سے سر اٹھا کر اپنی زبان پاک سے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کہیں گے اور گنہگاروں کو بخشنے کی شفاعت کریں گے۔ پھر سجدے میں جائیں گے اور دوسری قسم کے گنہگاروں کو بخشنے کی شفاعت کریں گے اور تیسری دفعہ سجدے سے اس وقت سر اٹھائیں گے۔ جب ہر قسم کے گناہ گار بخش دیئے جائیں گے اور کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ بجز ان لوگوں کے جن لوگوں کے متعلق قرآن پاک میں ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ قسمت کر دی گئی ہے۔ یعنی کافر مشرکین اور منکرین۔

اسی مضمون پر بخاری اور مسلم میں صحیح حدیث مذکور ہے کہ ہر گنہگار کو شفاعت کی احتیاج ہوگی۔ اور صرف وہی گنہگار رہ جائیں گے جو دوسرے انبیاء کی امتوں سے مخصوص ہیں یا دوسروں کو اللہ کے دربار میں شفاعت کرنے کی اجازت ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کے بعد کوئی گنہگار باقی نہ رہے گا۔ مگر وہ لوگ جن میں سوائے لا الہ الا اللہ کے ذرہ برابر بھی نیکی نہیں ہے۔ وہ سرا مہر عصیت اور گناہ میں مبتلا ہیں ان کے لیے بھی شفاعت کی اجازت چاہیں گے۔ بارگاہ رب العزت سے حکم ہو گا کہ یہ بھی میرے خاص لوگ ہیں۔ ان کے لیے میں خود ہی شفاعت کرتا ہوں۔ اور انہیں دوزخ کی آگ سے نکالتا ہوں۔ لے

لے امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور

ابن ماجہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی

غرضیکہ یہ دن یوم محمد رسول اللہ ہوگا۔ یہ مقام مقام محمدی ہوگا اور یہ بات بھی آپ ہی کو زیب
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

خَيْرَتْ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ أَنْ يَدْخَلَ شَطْرُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ
فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِأَنَّهَا أَعْمَرُ وَأَكْفَى أَعْرَضَهَا لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ
لَا وَلَكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِينَ الْخَاطِئِينَ -

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لویا یہ کہ تمہاری آدمی امت جنت میں جانے
میں نے شفاعت لی۔ کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔ کیا تم یہ سمجھ
لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ وہ ان گناہ گاروں
کے واسطے ہے۔ جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَارْحَمْهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور شفیع

المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِي لِلَّذِينَ لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي -

میری شفاعت میرے ان امتیوں کے ہے جنہیں گناہوں نے بلاء کر ڈالا۔ حق
ہے۔ اے شفیع میرے میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔

ابوداؤد و ترمذی و ابن حبان و حاکم و بیہقی بافادہ تصحیح حضرت انس بن مالک و ترمذی
و ابن ماجہ ابن حبان و حاکم حضرت جابر بن عبد اللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ
بن عباس اور خطیب بغدادی حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے
ہیں :-

شَفَاعَتِي إِهْلَ الْكِبَايَرِ مِنْ أُمَّتِي -

میری شفاعت میری امت میں ان کے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔ سئل اللہ
تعالیٰ علیک وسلم و الحمد لله رب العالمین -

دے گی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ اور دوسرے سارے طفیلی ہوں گے قرآن

ابوبکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور

شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الذُّكُوبِ مِنْ أُمَّتِي۔

میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لیے ہے۔ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

عرض کی وَإِنْ ذَنْبِي وَإِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو فرمایا:

وَإِنْ ذَنْبِي وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَعْمِ أَنْفِ ابْنِ دَرْدَاءِ۔

اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابو درداء کے۔

طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ

عند سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنِّي لَأَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَأَكْثَرِمِمَّا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مِنْ نَبِيٍّ وَجَجْرٍ وَكَلْبٍ

یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں۔ میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں

کی شفاعت فرماؤں گا۔

بخاری مسلم حاکم بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

وَاللَّفْظُ لَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ۔

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سَنَفَعَتِي لِمَنْ شَرِهَدَانُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا يَصَدِّقُ لِسَانُهُ قَلْبَهُ

میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے۔ کہ زبان کی تصدیق

دل کرتا ہوں۔

احمد طبرانی و بزار حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ

عند سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّهَا أَوْسَعُ لَهُمْ هِيَ لِمَنْ مَاتَ وَلَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا۔

شفاعت میں امت کے لیے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جس

پاک کا ارشاد ہوتا ہے ۔

کا خاتمہ ایمان پر ہو ۔

طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اِنِّي جَهَنَّمُ فَأَضْرِبُ بِأَيْهَا فَيُفْتَحُ لِي فَأَدْخُلُهَا فَأَحْمَدُ اللَّهَ
عَمَّا مَدَّ أَمَا حَمْدَهُ أَحَدٌ قَبْلِي مِثْلَهُ وَلَا يَحْمَدُهُ أَحَدٌ بَعْدِي مِثْلَهُ
ثُمَّ أَخْرَجَ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا -

میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا۔ وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا۔ ایسی کہ نہ
مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے۔ پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال
لوں گا جس نے خالص دل سے لا اِلهَ اِلَّا اللهُ کہا۔

حاکم بافادہ تصحیح اور طبرانی و بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

يُوضَعُ لِلْأَنْبِيَاءِ مَنْابِرٌ مِنْ ذَهَبٍ فَيَجْلِسُونَ عَلَيْهَا وَيَبْقَى مِنْبَرِي وَ
لَهَا جَلْسٌ لَا أَذَالَ أَفْتِيْمٌ خَشِيْبَةٌ أَنْ أَدْخَلَ الْجَنَّةَ وَيَبْقَى أُمَّتِي بَعْدِي
فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي يَقُولُ اللَّهُ يَا مُحَمَّدٌ وَمَا تُرِيدُ أَنْ أَضْعُ بِأُمَّتِكَ فَأَقُولُ
يَا رَبِّ يَجْعَلُ حِسَابَهُمْ فَمَا أَذَالَ حَتَّى أُعْطَى قَدْ بُعِثَتْ بِهِمُ إِلَى النَّارِ وَحَتَّى أَنْ
مَا لِكَا خَازِنُ النَّارِ يَقُولُ يَا مُحَمَّدٌ مَا تَرَكْتُ لِعُضْبِ رَبِّكَ فِي أُمَّتِكَ مِنْ بَقِيَّةٍ -

انبیاء کے لیے سونے کے منبر بچائے جائیں گے۔ وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی ہے
گا۔ کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا۔ بلکہ اپنے رب کے حضور سرود کھڑا رہوں گا۔ اس
ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے
پھر عرض کروں گا۔ اے رب میرے میری امت، میری امت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے
محمد تیری کیا مرضی ہے۔ میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں۔ عرض کروں گا۔ اے رب
میرے ان کا حساب جلد فرما دے۔ پس میں شفاعت کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ -

ان کی رہائی کی چٹھیاں ملیں گی۔ جنہیں دوزخ بھیج چکے تھے۔ یہاں تک کہ مالک دروغ و دروغ
عرض کرے گا۔ اے محمدؐ آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بخاری و مسلم و نسائی حضرت جابر بن عبد اللہ اور احمد بسند حسن اور بخاری تاریخ
میں اور بزار طبرانی و بیہقی و ابو نعیم حضرت عبد اللہ ابن عباس اور احمد بسند حسن و بزار بسند
جید و دارمی و ابن شیبہ و ابو یعلیٰ و ابو نعیم و بیہقی حضرت ابو ذر اور طبرانی معجم اوسط میں بسند
حضرت ابو سعید خدری اور کبیر میں حضرت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن شیبہ
و طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

وَاللَّفْظُ لِحَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
أُعْطِيَتْ مَا كَمْ يُعْطِينَ أَحَدًا قَبْلِي إِلَى قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأُعْطِيَتْ الشَّفَاعَةَ -

ان چھوٹوں حدیثوں میں یہ بیان ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے
ہیں۔ میں شفیع مقرر کر دیا گیا۔ اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی۔ میرے سوا کسی نبی
کو یہ منصب نہ ملا۔

ابن عباس و ابو سعید و ابو موسیٰ سے انہیں حدیثوں میں وہ مضمون بھی ہے جو احمد
و بخاری و مسلم نے انس اور شعیب نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین کہ
حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فِي أُمَّةٍ وَاسْتَجِيبَ لَهُ وَهَذَا الْكَلْفُ
لِأَنَسٍ وَ لَفْظُ أَبِي سَعِيدٍ. لَيْسَ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا وَقَدْ أُعْطِيَ دَعْوَةً فَتَعَجَّلَهَا وَ
لَفْظُ ابْنِ عَبَّاسٍ (لَمْ يَبْقَ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ لَهْ رَجَعْنَا لَلْفِظِ أَنَسٍ وَالْفَاظُ
الْبَدَائِيْنِ كَمَثَلِهِ مَعْنَى قَالَ وَرَأَى اخْتِبَاتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ
رِزَادِ ابْنِ مَوْسَى) جَعَلَتْهَا لِمَنْ فَاتَتْ مِنْ أُمَّتِي كَأَنَّ شَيْئًا بِاللَّهِ شَيْئًا

اے محمد: اے محب من۔ اے محبوب من۔ اے مطلوب من۔ اے بندہ خاص من۔ میں آپ کو

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری و تبارک و تعالیٰ سے ملتی ہے۔ جو کہ چاہو مانگ لو۔ بے شک دیا جائے گا۔ تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلوٰۃ والسلام سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کر چکے۔ اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے۔ جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا بِحَاجَتِكَ - آمِينَ -

اللہ اکبر۔ اے گنہگار ان امت کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کہاں رافت و رحمت اپنے حال پر نہ رکھی کہ بارگاہ الہی عزوجلہ سے تین سوال حضور کو ملے۔ جو چاہو مانگ لو۔ عطا ہوگا۔ حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لیے نہ رکھا۔ سب تمہارے ہی کام میں صرف فرمادیئے۔ دو سوال دنیا میں کیے۔ وہ بھی تمہارے ہی واسطے تیسرا آخرت کو لٹھا رکھا۔ وہ تمہاری اس عظیم حاجت کی واسطے جب اس مہربان مولے رؤف و رحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا۔ بگڑی بنانے والا نہ ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق فرمایا۔ حضرت حق عزوجل نے :-

عَزَبٌ عَلَيْكَ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ

واللہ العظیم قسم اس کی جس نے انہیں آپ مہربان کیا۔ کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زہارا تہی مہربان نہیں جس قدر وہ ایک اپنے امتی پر مہربان ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الہی تو ہمارا اعجز و ضعف اور ان کے حقوق عظیمہ کی عظمت جانتا ہے۔ اے قادر۔ اے واجد۔ اے ماجد ہماری طرف سے ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو داتی ہوں۔ اور ان کی رحمتوں کو مکانی۔

اس قدر نعمتیں ووں گا اور اس قدر رحمتیں نازل کروں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ آپ کے

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيَّ وَعَلَىٰ آلِي وَصَلِّمْ قَدْرًا فَتَبَّ وَرَحْمَتِهِ
بِأُمَّتِهِ وَقَدْرًا مِمَّنْ نَتَيْكَ وَرَحْمَتِكَ بِأُمَّتِنَا أُمَّةٍ أَلَهُ الْحَقُّ أُمَّةً -

سبحان اللہ امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی انصافیت میں تشکیک نہیں نکالتا ہے۔ کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے۔ کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے۔ کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کرتا ہے۔ افعال محبت کا بدعت نام اجلال و ادب پر پر شرک کے احکام۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ - وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ - وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ -

صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دو بار تو دنیا میں عرض کر لی۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي - اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي - اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي -

الہی میری امت کی مغفرت فرما۔ الہی میری امت کی مغفرت فرما۔

وَأَخَّرْتُ الثَّلَاثَةَ يَوْمَ يَرْعِي رَأْيِي فِيهِ أَخْلَقْتُ حَتَّىٰ زُبْرًا هَيْبِمُ -

اور تیسری عرض اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الہی میری طرف نیاز مند ہو گی۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيَّ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بہسقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی۔ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسری اپنے رب سے عرض کی تو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے رب عزوجل نے فرمایا۔

أَعْطَيْتُكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ (إِلَىٰ قَوْلِهِ) جَاءَتْ شَفَاعَتُكَ وَلَمْ أَخْبَاهَا
لِنَبِيِّ غَيْرِكَ -

دل کی کوئی بھی آرزو نا تمام نہ رہے گی۔ اے محمد ہر شخص میری رضا تلاش کرتا ہے۔ میں آپ کی رضا

میں نے تجھے عطا فرمایا وہ ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی۔ اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔

ابی شیبہ و ترمذی با فادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنَّا مَا كُنَّا النَّبِيِّينَ وَخَطِيبِهِمْ حَسْبُ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ
قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا۔

ابن مینع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِهَا لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا۔

میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس کے قابل نہ ہو گا۔ منکر مسکین اس حدیث متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کر کے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

ماخوذ از سماع الاربعین فی شفاعت سیدہ المحبوبین ص ۳۰۵

کا خواہاں ہوں۔ آپ فرمائیں گے۔ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا ایک بھی گنہگار بغیر بخشش کے رہے گا۔

علمائے دین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے مخصوص ہے۔ جب کہ قوم نوح کے لیے یوں خطاب

فرمایا گیا۔

يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا۔

نحو کے قاعدے میں لفظ "من" افادہ بعصیت کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی "بعض ذنوبکم سے مراد کہ اللہ کا فضل ان پر شامل حال ہوگا۔ لیکن ان کے بعض گناہوں پر عدل و انصاف سے بھی کام لیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ رب غفور کی رحمت ہی گناہ گاروں کے لیے امید و بشارت بہم پہنچاتی ہے۔ کیونکہ مہمان عزیز ہوگا۔ اس لیے مہمان کے طفیلی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے

نومید نہ باشی گرت آں یار براند

گرت امروز برانت نہ کہ فروات نخواند

تو اس کی امت بن جا۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔ تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ یہ مشکل اس لیے ہے کہ ابھی تک درست نسبت قائم نہیں ہو سکی۔ جب نسبت قائم ہو جائے گی۔ تو اس کے لیے کوئی مشکل نہ رہے گی۔ صد ہزار گناہ ایمان مصطفیٰ کے پہلو میں پرکاش کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر انسان کے دل میں نور ایمان ہو تو ظلمت معصیت اس دل میں نہیں آسکتی۔ جسے غم ایمان ہے اسے دنیا کا کوئی غم نہیں۔

سفیان ثوریؒ کو دیکھا کہ ساری رات روتے گذر گئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں روتے رہے خوش رہا کرو۔ آپ کی گردن پر گناہوں کا بوجھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ گناہ اگر پہاڑ کی طرح بھی آ جائیں تو اللہ کی رحمت کے سامنے پرکاش کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مجھے رونا اس بات کا ہے کہ ایمان سلامت لے جا سکوں گا یا نہیں۔

۵ ایماں چو سلامت بلب گور بریم
آخستت بریں چستی و چالاکی

— مقاماتِ شفاعت

شفاعت کے متعلق چند نکتے ابھی تک تشنہ بیان ہیں۔ یہ بات دل نشین کر لینی چاہیے۔ کہ شفاعت کے متعدد مقامات ہیں۔ پہلے موقف میں یعنی میدانِ حشر میں اس مقام پر بڑی ہی مہبت اور دہشت ہوگی۔ لوگ کھڑے کھڑے سخت اذیت اور شدت اٹھائیں گے۔ یہاں ان شدتوں کو کم کرنے کے لیے شفاعت ہوگی۔ دوسرے سوال اور حساب پیش ہونے کے وقت شفاعت سے آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ تاکہ کوئی مناقشہ نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ۔

مَنْ ذُو قِسْتٍ فِي الْحِسَابِ فَقَدْ عُدَّتْ

جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا۔ وہ عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ تیسرے عذاب کے احکام جاری ہوتے وقت شفاعت کی جائے گی تاکہ قصور معاف فرمائے جائیں۔ چوتھے دوزخ کی آگ سے نکالتے وقت شفاعت کی جائے گی۔ تاکہ مزید معافی مل سکے۔ پانچویں جنت میں درجے بلند ہونے اور زیادہ ثواب دینے کے لیے بھی شفاعت ہوگی۔ جیسے کہ کسی مجرم کو بادشاہ کے سامنے لایا جائے وہ بارگاہ میں کھڑا ہوتے ہوئے مہبت زدہ ہو جائے اور بارگاہ کا کوئی مقرب اٹھ کر سفارش کر دے اور بادشاہ حکم دے کہ اس مجرم کو بٹھا دیں۔ اور نرمی سے سوالات کریں۔ پھر کوئی اٹھ کر سفارش کرے اور بادشاہ حکم فرمائیں کہ اس سے حساب نہ لو اور اگر لینا ہی ہے تو نہایت شفقت سے گفتگو کی جائے بعض دفعہ یوں ہوتا ہے۔ کہ ثبوت گناہ کے بعد قید خانہ میں بھیجنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے لیکن شفاعت کی وجہ سے اسے واپس لے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی جیل میں بھیجنے اور عذاب کرنے کے بعد طویل قید سے رہائی دے دی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ جیل سے نکالتے ہی کوئی منصب عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہر گنہگار کو یہ امید رکھنی چاہیے کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اعلیٰ مناصب اور قرب و درجات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی شفاعت کرنے کے مجاز ہیں۔ اور کسی اہل دل نے کیا خوب کہا ہے

نصیبِ ماست بہشتیہ اخذ شناس رو کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تمام امت کے لیے عام ہوگی۔ بلکہ ساری مخلوقات کے لیے یہ شفاعت کی جائے گی۔ چنانچہ خاص کر مدینے والوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کی زائرین کے لیے اور حضور پر کثرت سے درود پاک پڑھنے والوں کے لیے یہ شفاعت خصوصیت کے ساتھ کی جائے گی۔

محققین نے شفاعت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رحمت خداوندی کے انوار کی شعاعیں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر انعکاس کرتی ہیں۔ اور آپ کے مقابلے اور نزدیک جتنے بھی دل ہوتے ہیں۔ ان پر بھی ان کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس پانی پر پڑتا ہے۔ اور اس عکس سے جو چمک پانی میں پیدا ہوتی ہے اس کا عکس دیوار پر پڑتا ہے۔ تو پانی کی سطح کے مقابل ہو چنانچہ اشرف مقابلہ اور محاذات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دلوں کو متوجہ کرنے اور آپ کی اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس عکس کے حصول کا سب سے مضبوط ترین سنت نبوی کی اتباع کو قرار دیا گیا ہے۔ جس قدر مطابعت قومی ہوگی۔ اسی قدر عکس زیادہ پڑے گا۔

مگر درجات تو شفاعت کے کئی ہیں۔ اور گناہوں کی بخشش کے لیے ایمان کا کامل ہونا شفاعت کی ضمانت ہے۔ اس ضمن میں کثرت درود پاک بر سپد لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی موثر ترین چیز ہے۔

— جنت و دوزخ

جنت و دوزخ کا بیان جس طرح آیات و احادیث میں آیا حق ہے۔ جنت اور دوزخ کے متعلق مختلف علمائے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جنت آسمان پر ہوگی۔ یا تو آسمان چہارم ہوگی یا ہفتم پر۔ لیکن آگ زمین کے نیچے ہوگی۔

ایک قول کے مطابق دوزخ بھی آسمان پر ہوگی۔

علمائے کرام کے ایک طبقہ نے ان مقامات کے بیان کرنے میں توقف سے کام لیا ہے۔ ان

کے نزدیک ان مقامات کے متعلق کوئی صریح نص نہیں پائی جاتی۔ ان مقامات کو اللہ ہی جانتا ہے۔ شرح مقاصد میں لکھا ہے۔ کہ جنت و دوزخ کے مقامات کے متعلق کوئی قطعی نص نہیں ہے۔ لیکن ائمہ کرام کی رائے ہے۔ کہ بہشت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہوگی۔ اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہوگی۔ مشکل بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ کہ :

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ۔

جنت کا عرض آسمان و زمین کی پینائیوں کے برابر ہوگا۔ جب جنت کی وسعت کا یہ عالم ہو۔ تو اس کا زمین یا آسمان پر مکان متعین کرنا اس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب مفسرین نے یوں دیا ہے۔ کہ جنت کا عرض جب آسمان و زمین کے برابر ہوگا۔ زمین و آسمان آپس میں چھوٹے ہوں۔ مگر امر واقعہ ایسا نہیں۔ سب توجیہات سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ چونکہ عقل انسانی کے سامنے آسمان و زمین سے کوئی چیز بھی وسیع تر اور عریض تر نہیں ہے۔ لہذا جنت کی وسعت کا مسالغہ بیان کرنے کے لیے زمین و آسمان کی تمثیل پیش کی گئی ہے۔ اس کی حدود متعین کرنا مقصود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنت کی وسعت خداوند تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ جنت کا ایک چھوٹا سا گھر زمین و آسمان کی وسعتوں کے برابر اور زیادہ ہو سکتا ہے۔

— اعراف —

اعراف اس مقام کو کہا جاتا ہے۔ جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔ نہ اس میں جنت کی راحت ہوگی۔ اور نہ دوزخ کی مس شدت تکلیف۔ اعراف کا وجود صحیح نقل اور قطعی نص سے ثابت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بچوں اور ان لوگوں کے لیے جن کی زندگی میں نزول دنی نہیں ہوئی۔ اعراف میں رکھنے کا اعلان فرمایا ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اعراف کا وجود حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور علما کرام بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت :

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِضُونَ كَلَّا لَيْسِيَمًا هُمْ۔

اس سے جنت و دوزخ کی دیواروں اور بلندوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنت و دوزخ کے درمیان واقع ہیں۔ اور رجال سے پیغمبر اور مشاہد اور نیک مومن علمائے کرام اور فرشتے مراد

ہیں۔ جنتی اور دوزخی ان کی پیشانی کے نشانات سے پہنچانے جائیں گے۔ اور خطاب فرمائیں گے
 وَهَمَّا نَحْنُ قَتَانِ مَوْجُودَتَانِ -

دوزخ اور جنت پیدا ہو چکے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ قیامت کے دن
 کیے جائیں گے۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کا واقعہ جنت کے قیام و وجود میں بڑی نکتہ دلیل ہے۔
 بَارِقَاتٍ وَلَا يَفْتَنَانِ وَلَا يَفْنَىٰ أَهْلُهُمَا۔

بہشت اور دوزخ۔ اہل بہشت اور اہل دوزخ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور باقی رہیں گے
 جب سب لوگ ایک دفعہ مر گئے پھر زندہ ہو کر اب تک زندہ رہیں گے۔ جنت و دوزخ میں کسی
 موت نہیں آئے گی۔ اسی واسطے فرمایا گیا۔

وَخَلَقْتُمْ لَكُمْ لَا يَدُ -

میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔

— قیامت کے متعلقات

حضور علیہ السلام نے قیامت کے متعلق جتنی کیفیتیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ سب برحق ہیں۔ جو
 خبریں مجبر صادق حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے علامات کے سلسلے میں
 بیان فرمائی ہیں۔ وہ ساری کی ساری برحق ہیں۔ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ توبہ کا دروازہ
 بند ہونا۔ و جبال اور وابت الارض کا نمودار ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر سے اترنا۔ اور صُور

لے تمام اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے نزدیک دن دنیا پر
 تشریف لائیں گے۔ و جبال کو قتل کریں گے۔ احادیث میں اس عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے
 اس کے برخلاف چودھویں صدی میں ایک فرقہ مرزا قادیان کا پنجاب میں پیدا ہوا۔ اس نے جھوٹا
 دعویٰ کیا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نہیں آویں گے وہ فوت ہو چکے ہیں۔ انکا مشیل مرزا غلام احمد قادیانی آیا
 ہے۔ علمائے کرام نے صد ہا کتابوں سے اس کے اس دعویٰ کا رد کیا۔ اب کئی سال سے مرزا غلام احمد
 ہی مر گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے ارشاد نبوی کے مطابق بذات خود حضرت عیسیٰ علیہ
 السلام آسمان سے اتریں گے۔ اور امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ (محمد مشاق احمد ٹیوی حنفی چشتی
 مترجم تکیں الامیان صفحہ نمبر ۳۳ مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی ۱۳۳۱ھ)

کا پھونکا جانا۔ اور اس کے علاوہ تمام حالات قیامت کا برپا ہونا۔ حتیٰ کہ جنت میں داخل ہونے تک ساری باتیں حضور علیہ السلام نے بیان فرمادی ہیں۔ حضور صلی اللہ وسلم کی ہر خبر اور حکم ہی سچا اور برحق ہے یہاں ہم نے اجمالی طور پر چند چیزیں لکھ دیں ہیں۔ مگر تفصیلی طور پر احادیث کی کتابوں میں ساری خبریں موجود ہیں۔

— ایمان بالقلب تصدیق بالایمان

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ وسلم کی رسالت کا قلبی طور پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کا زبان سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے۔ اور زبان سے تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور زبان کے اقرار کے بغیر دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ظاہری احکام کا جاری کرنا زبان ہی کا کام ہے۔ اگر کوئی انسان گونگا ہو۔ یا کوئی شخص زبردستی سے کوئی کلمہ کفر کھلائے۔ مگر اس کے دل میں ایمان ہو۔ مگر قلبی یقین کے باوجود اسے زبانی اقرار کی فرصت نہیں ملی اور اس سے پہلے ہی موت نے آیا۔ تو ایسی صورت میں زبانی اقرار شرط ایمان نہیں۔

اہل حدیث کے نزدیک ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ الا ایمان تصدیق بالقلب و اقرار باللسان میں یہی بات ہے۔ ایمان اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ راستی کے ساتھ حضور علیہ السلام پر اعتقاد رکھا جائے۔ احکام پر عمل کیا جائے۔ اور زبان سے اعلان کیا جائے۔ ان تینوں کے بغیر ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس نظریہ میں حقیقتاً کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ ایمان کامل وہی ہے۔ جو وہ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ایمان بے عمل ناقص ہوتا ہے۔ لیکن اصل ایمان تو تصدیق بالقلب ہی ہے۔ ایمان اس درخت کی طرح جاننا چاہیے جس کا تنہ تصدیق ہے۔ اعمال و طاعات اسی تصدیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس درخت کی ثمنیاں۔ پتے پھل پھول اور برگ و بار نہ ہوں۔ حقیقت میں وہ درخت کھلانے کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن کارآمد درخت وہی ہوتا ہے۔ جس کے برگ و بار بھی ہوں۔ اسی طرح ایمان کامل وہی ہے جو نیک اعمال کے برگ و بار سے پر رونق ہو۔ بے عمل ناقص ایمان ہوگا۔ ناقص ایمان کو بھی ایمان ہی کہا جائے گا۔ قرآن پاک میں اکثر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ملا یا ہے۔

إِنَّا نُنزِّلُ الْكُرْآنَ بِاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ -

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ایمان کی تصدیق ہے۔ اور عمل صالح جدا چیز ہیں۔ اگر ایمان کو کامل کرنے والا یہی عنصر ہے۔ اس کی مثال یوں ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فلاں کے پاس یہ چیز بھی ہے۔ اور وہ بھی۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا۔ کہ اس کے پاس دونوں چیزیں ہیں۔ مگر وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ پنانچہ دونوں کو ایک کنا درست نہیں۔ اور جو دونوں کو یکجا جمع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ نبی علیہ السلام کو صرف سچا نبی جان لینے کا نام ہی ایمان نہیں بلکہ دل سے اس کی تصدیق کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ علم اور چیز ہے اور تصدیق اور چیز ہے تصدیق سے مراد اذعان اور قبول کرنا لینا ہے۔ اسے فارسی میں "گرویدن" کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں دل رنگ قبول سے رنگا جاتا ہے۔ اور نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔ علم صرف جاننے کو کہتے ہیں۔ تمام کفار عرب علی الخصوص، اہل یہودی تو حضور علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے تھے۔ اور یہ علم اتنا مضبوط تھا۔ جیسے کہ وہ اپنے بیٹے کو پہچان رہے ہوں۔

يَعْرِفُونَكَ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ -

وہ (نبی علیہ السلام کو) ایسے پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو۔

حضور علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبریں۔ آپ کی صورت و سیرت۔ عادات و خصائل نام و نشان مقام پیدائش یہودیوں کے کتابوں میں لکھا تھا۔ ان کی زبانوں پر جاری تھا۔ بہت سے یہودی اسی انتظار میں دنیا کے مختلف ممالک سے اٹھ کر مدینہ پاک میں آبار ہو گئے تھے۔ اور اپنی عمر اسی شوق میں گزار دیں اور مرنے سے پہلے اپنی اولاد کو یہ وصیت کرتے رہے۔ کہ اگر نبی آخر الزمان تشریف لائیں تو ہمارا سلام پہنچاؤ۔ ہمارے اسلام لانے کی خواہش کا اظہار کرو۔ غرضیکہ یہود سے بڑھ کر حضور کے متعلق کسی دوسرے فرقے کو علم نہ تھا۔ مگر جب جب نبوت کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہوا۔ یہودیوں کی ثقافت اذنی نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے۔ اور حسد و عناد سے حقیقت حال کو نہ پاسکے۔ کفر و انکار کے گڑھوں میں گر گئے۔ اور نجات کی ساری راہوں سے محروم ہو گئے۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے۔ کہ علم و عقل بجز عنایت الہی اور ہدایت خداوندی کے

کسی کام نہیں آتے۔ اور اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

وَيَحْدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا

انہوں نے ظلمًا انکار کر دیا۔ غرور و حسد سے گمراہ ہو گئے۔ حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

فَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْتَعِمُ

ہم اس علم سے پناہ مانگتے ہیں جو نفع نہ دے۔ اور اس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔

۷ علمے کہ راہ بحق نہ نماید جمالت است

وَهُوَ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی

جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ ایمان کی حقیقت قلبی تصدیق کا دوسرا نام ہے۔ تصدیق قلبی تو ایک ہی ہوا کرتی ہے۔ اس میں تعدد کا دخل نہیں۔ تو پھر ایمان میں بیشی و کمی بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کمی و بیشی بھی تو ایک عدد ہے۔ جس میں کثرت و تعدد پائی جاتی ہے۔ اگر تصدیق کے باوجود اعمال کو بھی داخل ایمان کر لیا جائے۔ تو پھر عمل کی زیادتی اور کمی کو بھی ایمان پر اثر انداز ہونا ماننا پڑے گا۔ چونکہ ایسا نہیں ہے۔ پس یہ بات بھی نہیں۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول:

وَلَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

بلا اشکال و استتباب درست ہے۔ حقیقت میں یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اعمال ایمان کا

حصہ نہیں ہیں۔ اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

— ایمان اور اسلام

ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے، لیکن ایمان کے مفہوم سے مراد تصدیق قلبی ہے۔ اور حال باطن ہے۔ اور اسلام ظاہری اعمال کے اتباع اور انعقاد کا دوسرا نام ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا

اعرابیوں نے کہا۔ ہم ایمان لائے۔ اے محمد آپ انہیں فرمادیں۔ تم ایمان تو نہیں لائے۔ (یعنی دل سے تصدیق نہیں کی) لیکن یہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ یقین ظاہری احکام کے فرمانبردار ہے۔

اس حکم سے مراد یہ ہے کہ ہر مومن مسلمان ہے۔ اور ہر مسلمان مومن ہے۔ اس میں کسی قسم

کی معاشرت نہیں ہے۔

— اقرار ایمان بلفظ انشاء اللہ

علمائے کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ کہ آیایوں کتنا کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں درست ہے یا نہیں۔ علمائے احناف نے ایسا کہنے سے منع کیا ہے۔ مگر علمائے شافعیہ جائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر انشاء اللہ سے مقصد کسی قسم کے شبہ یا تردد کا اظہار ہے۔ تو حنفیہ کا فیصلہ درست ہے۔ اور اگر اللہ کا نام تبرکاً یا تیناً یا گیا ہے۔ تو شافعیہ کا فیصلہ بھی درست ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عجب و غرور دور کیا جائے۔ اور ان تمام شبہات کو ذہن سے دور رکھا جائے۔ کیونکہ شبہات و تردد ایمانی تصدیق کے منافی ہیں۔

أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ حَقًّا سے مراد یہی ہے۔ بلا شک و شبہ ایمان کا اقرار کیا جائے۔ غرضیکہ بعض وجوہ میں کلمہ انشاء اللہ کنا درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے۔ کہ نہ کہا جائے۔ تاکہ شک و تردد کا احتمال بھی نہ ہونے پائے۔

— ایمان بالجبر

إِيمَانُ الْبَاسِ غَيْرَ مَقْبُولٍ۔

باس دراصل شدت اور عذاب کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ عذاب و شدت ہے جو سکرات موت و معائنہ احوال آخرت سے پیدا ہوں۔ احادیث میں تو اتر کے ساتھ یہ بات آئی ہے۔ کہ موت کے وقت ہر شخص کو اپنا مال نظر آجاتا ہے۔ مومن اپنی آنکھوں سے بہشت اور کافر دوزخ کو دیکھ لیتا ہے۔ اگر کافر ایسی حالت میں ایمان لائے گا۔ تو قابل اعتماد و اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان تو انسان کے غیب اور اختیار سے لانا چاہیئے۔ انسان کے قصد بہتثال امر۔ اور اطاعت فرمان الہی کا بڑا دخل ہے۔ مگر ایسی حالت میں ایمان لانا ایمان بالغیب نہیں کہلاتا ہے۔ بلکہ اضطراری حالت میں ہوتا ہے۔ قیامت کے دن تمام کافر فریاد کریں گے۔

رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ۔

اے اللہ۔ ہماری آنکھیں بنیا ہو گئیں۔ کان سننے لگے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ تیرے پیغمبروں نے دنیا میں خبریں دیں۔ اور تیری کتابوں میں لکھا تھا۔ وہ درست تھا۔ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔

تائز ہم ایمان لائیں۔ اچھے کام کریں۔ اور ثواب کے مستحق بنیں۔

تمام اہل حق اس مسئلہ پر اتفاق رائے رکھتے کہ ایمان باس مقبول نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يَغْدِرْ غِرًّا

اللہ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغہ کی توبت نہ آجائے۔

غرغہ موت کی حالت۔ سکرات کی شدت۔ اور روح کا حلق میں سختی پیدا ہونا۔

قرآن پاک نے اسے یوں بیان فرمایا ہے۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا

یعنی باس و عذاب دیکھتے وقت ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے لَا كَيْفَ سَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى

إِذَا أَحْضَرُوا حَذَرُ الْمَوْتِ فَإِنِّي تُبْتُ الْآنَ۔

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت ان کے سر پر آجاتی ہے۔

اور کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔

اس آیت کے ساتھ یہ استدلال اور واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت میں یہ احتمال ہے کہ رویت باس

سے قیامت کی نشانیاں مراد ہیں۔ جیسے مغرب سے آفتاب نکلنا۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو اسی

انداز میں پیش کیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات صریحاً ثابت ہو جاتی ہے۔ موت کے ڈر سے قبول

توبہ و ایمان قابل قبول نہیں ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ گناہ و معاصی سے توبہ بھی موت کے

خوف کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ علمائے اشاعرہ ماتریدیہ اور دوسرے فقہاء کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ مگر

اکثر علمائے کرام مرض الموت یا خوف موت کی توبہ کو قابل قبول جانتے ہیں۔ مگر ایمان باس باجماع ناقابل

قبول ہے۔

— ایمان و توبہ باس —

اوپر کی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اجماع امت اسی پر ہے۔ کہ فرعون کا ایمان جس کا اقرار

جو غرقابی کے وقت کیا گیا تھا۔ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ غرقابی کے وقت زندگی خطرے میں تھی۔ اور یہ

اضطراری ایمان پانیدار نہیں ہو سکتا۔ تمام علمائے امت۔ مجتہدین اثناعشر اور معتزلیان امت کا اعتقاد یہی ہے۔ چنانچہ شرعی اصطلاح میں ہر جگہ ایسا ایمان مذموم۔ مقبوح اور لغو استکبار کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیات قرآنی اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ کہ فرعون کا فر تھا۔ قبیح تھا۔ اور تہمی تھا۔

فَاخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ -

ہم نے اسے پھپھوں اور سپوں کے لیے عبرت بنا دیا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔

يُقَدِّمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا وَرَدَهُمُ النَّارُ -

جو شخص بھی لغت عرب کو جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ یقیناً قومہ کا معنی یہی ہے۔ کہ وہ اپنی قوم سمیت جہنم میں جائے گا۔ وہ اپنی قوم کا پیشوا اور سردار ہوگا۔ حدیث پاک میں زمانہ جاہلیت کے معروف شاعر اذہم القیس کی مذمت میں ارشاد ہوا ہے۔

يُقَدِّمُ الشُّعْرَاءَ إِلَى النَّارِ -

وہ جہنم میں جانے والے شعرا کی پیشوائی کرے گا۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

وَأَسْتَكْبَرُوا وَجُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُوا أَنَّهُمُ إِنَّا لَا نُجْعِلُ

فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ تکبر کیا۔ زمین پر ناحق گماں کرتے تھے۔ کہ ان کا لشکر بڑا مضبوط ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اکمال اور باز لشت اس فوج البطش شدید قہار کی طرف ہے۔

چنانچہ کافر بھی اسی غلط گمان میں مبتلا ہیں۔

فَاخَذْنَا هَاهُ وَجُودَهُ فَجَدْنَا هُمْ فِي الْيَمِّ -

ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو قہر و عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور انہیں دریائے نیل کی موجوں کے توالے کر دیا۔

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ -

تم دیکھو کہ ظالمین کی عاقبت کیسے ہوتی ہے۔ پھر مزید فرمایا۔

وَجَعَلْنَا هُمْ آيَةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ -

ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو دوزخیوں کا امام اور پیشوا بنا دیا۔ اور وہ انہیں پکارتے ہوئے ہوں گے

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ -

انہیں قیامت کے دن کوئی مدد نہیں ملے گی۔ بلکہ وہ مطرود اور مردود ہوں گے۔
 وَاتَّبَعْنَا لَهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ

ہم نے اس دنیا میں ان کے لیے لعنت مقرر کی ہے۔ اور ان کا شکر رسوا ہو گا۔
 قرآن پاک کی ان آیات سے ذمہ داروں کا حال و مال بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ اگر وہ مسلمان باپاک
 ہو کر مرتا تو قرآن اسے ان الفاظ میں یاد نہ کرتا۔ اگر یہ بات مان لی جائے۔ کہ یہ استکبار و ظلم کی سرگذشت
 محض اس کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ تو پھر بھی ہمیں قرآن کے اس قول کے سامنے۔
 وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ۔

ذمہ داروں اور اس کا شکر قیامت کے دن رسوا ہوں گے۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اضطرابی حالت
 میں اس کا ایمان قابل قبول نہیں تھا۔ عقل و وجدان قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ فرعون اللہ کے نزدیک سچا
 مومن ہے۔ اس کی زندگی کے ایک کارنامے کی تعریف نہیں ملتی۔ اس کی آخرت کے اچھا ہونے کا بھی
 کہیں ذکر نہیں ملتا۔ کہ ہمارا فلاں بندہ زندگی بھر تو فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ مگر آخر کار ہمارے نفس و رحمت
 سے درست ہو گیا۔ ہر جگہ فرعون کی مذمت ہی پائی جاتی ہے۔ اور ملامت کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس
 کے ایمان لانے یا اسلام قبول کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ اس آیت پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔
 حَتَّىٰ إِذَا آدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ إِنَّهُ لَأِلَٰهٌ غَيْرُ الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ
 یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا۔ تو کہنے لگا۔ میں ایمان لایا۔ کیونکہ اللہ کے بغیر میرا کوئی معبود نہیں
 جسے بنی اسرائیلی اپنا معبود بنائیں۔ میں مسلمانوں سے ہی ہوں۔

اس آیت کریمہ کے سابق و سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظالم عمر بھر تک بڑا مغرور اور اصراف میں
 غرق رہا۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اس کے اور اس کے لشکر کے لیے عذاب کی درخواست
 کی۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اور عذاب الہی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔ تو زبان
 سے اسلام کا اقرار کرنے لگا۔ حکم ہوا کہ اس وقت ایمان کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اختیار ہاتھ سے جاتا
 رہا ہے۔ وہ تمہارا کفر و فساد کہاں گیا۔ آج ہم تجھے دنیا پر بھی رسوا کریں گے۔ اور تیری نفس کو دریا سے
 نکال کر تماشگاہ عالم بنائیں گے۔ تاکہ لوگ اس سنگین مال سے عبرت حاصل کر سکیں۔ خدا و رسول کے

ساتھ غرور اور سرکشی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

فَاخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْتَشِي ۚ
اللہ نے فرعون کو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا۔ اسی میں عبرت ہے والے کیلئے۔
— حضرت آسیہؑ

یہ خیال کہ حضرت آسیہؑ (فرعون کی بیوی) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا۔
فَرَّةٌ عَيْنِي وَتِلْكَ لَمَّا قَسَيْتُهَا ۗ

یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ حضرت آسیہؑ کا محض گمان و خیال تھا۔ اس واقعہ میں اللہ کی حکمت یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام ظالم کے ہاتھ سے خلاصی پائیں۔ اور ہلاک نہ ہو جائیں۔ کیونکہ فرعون اس وقت کسی زریعہ اولاد کو زندہ چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا۔ حضرت آسیہؑ نے آپ کو بچانے کی ایک تدبیر بنائی۔ اور حضرت آسیہؑ کی اس فراست و الہام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی و مرسل ہونا معلوم کر لیا تھا۔

فَالْتَفَطَهُ الْفِرْعَوْنُ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ

پیدا ہونے کے بعد آل فرعون نے حضرت موسیٰ کو اٹھالیا۔ تاکہ ان سے دشمنی نہ کر سکے۔ اس عداوت سے مراد وہ عداوت ہے۔ جو نفس الامر میں ہوا کرتی ہیں۔ اگر فرعون مسلمان ہو کر مرتدا تو یہ عداوت دائمی نہیں ہوتی تھی۔ قرآن پاک کے علاوہ احادیث میں فرعون کی مذمت پائی جاتی ہے۔ ساری امت کا اجماع اسی پر ہے۔ صحابہ تابعین رضی اللہ عنہم۔ علماء مجتہدین مشائخ متقدمین و متاخرین رحمۃ اللہ سے بکثرت ثابت ہے۔ کہ وہ کافر مرا۔ اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا تو اس کا کفر و طغیان ضرب المثل نہ ہوتا۔

— فرعون اور ابوجہل

جب غزوہ بدر میں ابوجہل لعین مارا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مَا تَفِرْعَوْنُ هَذِهِ الْأُمَّةَ ۗ

اس امت کا فرعون مارا گیا۔

اگر فرعون پاک ہوتا تو اس کے ساتھ ابوجہل جو قطعی دوزخی تھا۔ کی تشبیہ نہ دی جاتی۔ اگر یہ تشبیہ

کیا جائے کہ یہ تشبیہ اس کفر و تکبر کی بنا پر ہے۔ جو اس کی زندگی میں رونما ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کہیں نہیں آیا کہ ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد سابقہ کفر و بغاوت کی تشبیہیں دی جائیں۔ کیونکہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ قریش کے بہت سے رؤساء جنہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کی عداوت میں ضائع کیا۔ ایمان لانے کے بعد وہ دنیا سے ایمانی دولت کو ساتھ لے گئے۔ شریعت میں ان کے زندگی کے حالات کے متعلق کہیں بھی مذمت یا بھجور نہیں ملتی۔

قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ فرعون کے کردار کو مکروہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مشائخ میں سے کسی نے بھی اسے مومن نہیں جانا۔ صرف شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فصوص الحکم میں مومن قرار دیا ہے۔ ان کا یہ خیال اگر ایمان باس کے قبول ہونے پر مبنی ہے۔ تو اجماع کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ فرعون کی حالت "باس" کے ضمن میں نہیں آتی۔ تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ دریا میں غرقابی کا علم اور موت کی قریبی کا احساس سے بڑھ کر کیفیت اضطراب کہاں ہو سکتی ہے۔ جب اجماع سے فرعون کا کفر ثابت ہے اور حالت باس کی نفی کرنا ایمان کے ثابت کرنے کے لیے بیکار ہے۔ خود شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات کلبیہ میں فرعون کی مذمت بیان کرتے ہوئے سخت کافر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

توزن میں مراتب و درجات ہیں۔ بعض ایک دوسرے کی نسبت شدید ہیں۔ ایک حصہ مکش اور مغزور لوگوں کے لیے ہے۔ جیسے فرعون وغیرہ کہ اشد کافر ہیں۔

مگر فصوص میں اس عبارت کے خلاف ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ خصوص میں آیت قرآنی:

حَتَّىٰ إِذَا اَدْرَاكُهُ الضَّرَقُ قَالَا مَنَّا

کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ مگر تحقیق اور معتقد علیہ خیال ابن عربی کے ہاں بھی وہی ہے۔ جو فتوحات کلبیہ

میں ہے۔

— ابن عربی اور ایمان فرعون

اگر ابن عربی کے ہاں فرعون کا ایمان درست ہوتا تو امت رسول کے تمام اہل علم اجماع ہدایت کے نظریہ کے خلاف کس طرح اسے صاحب ایمان قرار دے سکتے ہیں۔ دلائل شرعیہ میں اجماع

تو قطعی دلیس ہوتی ہے ۔

بہر حال ہمیں حیرت ہے ۔ کہ اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا جائے ۔ یہ تو ہونیں سکتا کہ تغافل و انماض سے کام لیتے ہوئے تکلفاً شیخ ابن عربی کے قول کو اجماع امت کے مطابق مان لیا جائے ۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام آئمہ دین کے برعکس حضرت ابن عربی کا ایک قول تسلیم کر لیا جائے ۔ اور موجودہ زمانہ کے بعض نادانوں کی طرح اسلام کے پیشواؤں کے بالکل خلاف جاتے ہوئے فرعون کو مومن تسلیم کر لیا جائے ۔
نعوذ باللہ من الخلل والزلل ۔

انبیاء علیہم السلام کے بغیر دنیا میں کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے ۔ کسی سے اجتہاد میں خطا ہو بھی جائے ۔ تو کیا نقصان ہے ۔ مذہبوں کے امام دین کے پیشوا جن کی تمام عالم اسلام اتباع کرتا ہے ۔ ان سے بھی دینی مسائل میں کئی جگہ غلطی سرزد ہوئی ہے ۔ ایسی غلطی اجتہادی غلطی کہلاتی ہے ۔ اگر شیخ ابن عربی سے ایک مسئلہ میں اجتہادی خطا ہو گئی ہے ۔ تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑی ۔ ہمیں حیرانی تو اس بات پر ہے کہ اجماع امت کے برخلاف صرف ایک شخص کی رائے پر مسئلہ کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے ۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے ۔ کہ ساری امت میں ایک ہی ذات حق بات کہہ سکتی ہے ۔ تو اس کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہوگی ۔ محض تقلید اور اتباع مطلوب ہے ۔ تو دوسرے مجتہدین کی اتباع اور تقلید بھی نظر انداز نہیں ہونی چاہیے ۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت شیخ ابن عربی صاحب کشف و یقین ہیں ۔ حقائق و دقائق اور معارف کا سرچشمہ ہیں ۔ اور ان سے شرعی مسئلہ میں غلطی ناممکن ہے ۔ اور انہوں نے جو کچھ رائے قائم کی ہے ۔ بلا کمی بیشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے ۔ تو یہ ایک علیحدہ بات ہے ۔ اس مقام پر ہم دم بخود ہیں ۔

شیخ کے حقائق و معارف اپنی جگہ پر درست اور کسی عامی آدمی کو حق نہیں کہ وہ دم مارے ۔ مگر یہ توفیق کا مسئلہ ہے ۔ اس میں صحیح قیاس اور دلیل کی ضرورت ہے ۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے ۔ کہ انسان و خطا کا پتلا ہے ۔ انبیاء علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی خطا و خلل سے معصوم نہیں ۔ آخر آپ نے فتوحات میں فرمایا ہے ۔ اور آپ کے تمام تابع اس قول کو نقل بھی کرتے آئے ہیں ۔ کہ قرآن کریم میں کوئی آیت دائمی عذاب کے لیے نازل نہیں ہوئی ۔ اور آگ میں داخل ہونا بھی تو عذاب کو مستلزم ہے ۔ پس آگ میں ہمیشہ انتہا بھی عذاب کو مستلزم نہ ہوا ۔ حالانکہ قرآن حکیم میں دائمی عذاب کا ذکر ہے ۔

بہت جگہ آیا ہے :

وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ . وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ۔

سورہ فرقان میں ہے :

وَيُخَلَّدُ فِيهِ مَهَانًا . ہمیشہ عذاب میں ذلیل ہو ۔

سورہ الم سجدہ میں ہے :

وَذُوقُوا الْعَذَابَ الْخُلَّدَ . ہمیشگی کے عذاب کا مزہ چکھو ۔

سورہ زُحُوف میں یوں ہے :

إِنَّ الدُّجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ

جَهَنَّمَ خَالِدُونَ . بیشک مجرم ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے ۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے علم و کمال کے باوجود خلود عذاب کا نفاصل نہ ہونا شیخ کی بھول نہیں تو اور کیا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اعتقاد کے معاملہ میں سوادِ عظیم کے ٹھوس نظریہ سے ہمیں جدا نہیں رہنا چاہیے

اور ائمہ مجتہدین کے تابع ہونا چاہیے۔ خاص کر ان مسائل میں جس میں ساری امت کا اجماع ہے۔ اور

اتفاق ہے۔ علیحدہ نہیں جانا چاہیے۔ ہاں آداب و اخلاق میں مشائخ کا اتباع نہایت ضروری ہے اور

ان پر حسن ظن سے اعتقاد رکھنا چاہیے اور اور کوشش یہ ہونی چاہیے۔ کہ ان کے کلام کو علماء و مجتہدین

سے مطابقت دی جائے۔ ریاضت و مجاہدہ میں پوری ثابت قدمی سے کام لینا چاہیے۔ اگر استعداد

کامل ہے نیت صادق ہے۔ اور مجاہدہ قوی ہے۔ تو انوار و احوال خود بخود کھل جائیں گے۔ اس میں کسی

قسم کا تکلف۔ تصنع اور تقلید کی ضرورت نہیں۔

شیخ ابن حجر مکی کی رائے

شیخ ابن حجر مکی اپنی کتاب زواجر میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت ۔

فَلَمْ تَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا

(جب وہ ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔ تو انہیں ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا۔) تمام علمائے امت

اور مجتہدین نے فرعون کے کفر پر اجماع کیا ہے۔ اگر کسی کے نزدیک اللہ پر ایمان لانا معتبر بھی ہو تو

بھی اجماع کے اعتقاد میں شک نہیں۔ کیونکہ صرف اللہ پر ایمان لانا۔ اور رسول خدا کو نظر انداز کر دینا

ایمان کے لیے کافی نہیں۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ فرعون اللہ پر ایمان لے آیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا۔ تو ایسا ایمان پھر بھی اس کے لیے مفید نہیں۔ اگر کوئی کافر ہزار بار بھی ۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ الْمُسْلِمُونَ

کہتا پھرے۔ جب تک اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے گا مومن نہیں کہا جاسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون کے جادو گر بھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔

ان کا ایمان کیونکہ مقبول ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جادو گروں نے کہا تھا۔

أَمْتًا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ . رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ .

ہم تمام جہان کے پالنے والے پر ایمان لائے۔ کیونکہ وہ موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ تو ایمان کی

نسبت موسیٰ و ہارون کے رب کی طرف کرتے ہوئے موسیٰ و ہارون پر ایمان لانا ثابت ہو گیا۔ فرعون نے

تو حضرت موسیٰ کی طرف کوئی نسبت نہیں رکھی۔ اور کہا۔

الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ

(وہ خدا جس پر نبی اسرائیل ایمان لائے)

دوسری بات یہ بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ جادو گر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اور معجزہ موسیٰ پر

رسول کے معجزہ پر ایمان لانا عین رسول پر ایمان لانا ہے۔ جادو گر صریحاً حضرت موسیٰ پر ایمان لائے

تھے۔ مگر فرعون کے کلام میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان اشارتاً بھی نہیں پایا جاتا۔ وہ نبی اسرائیل کا اقرار

تو کرتا رہا۔ مگر حضرت موسیٰ کے ساتھ اس کا کفر بدستور رہا۔ جس کی وجہ سے وہ کافر ہی رہے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض صوفیاء نے لکھا ہے کہ عذاب دیکھنے کے وقت ایمان لانا بھی مفید ہے

تو فرعون کے کفر پر اجماع کا دعویٰ کیسے قابل قبول ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ اول تو صوفیاء کی ایسی

تحریریں صحیح نہیں۔ اور اگر بعض مجتہد صوفیاء نے ایسا لکھا ہے تو وہ قابل اعتماد ہے۔ مگر اجماع امت کے

سامنے فرعون کے ایمان پر ان کے اقوال کو نظر انداز کرنا ہو گا۔ کیونکہ فرعون پر صرف حالت اضطرار میں

ایمان لانے کی وجہ سے کفر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس نے حالت باس و اضطرار میں حضرت موسیٰ پر ایمان

لانا گوارا نہ کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن عربی ایمان اضطراری کی صحت کے قائل ہیں۔ اور انہوں نے فرعون کے

ایمان کو اسی اجتہاد سے تسلیم کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ابن عربی سے مسلم اور مقرر نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ابن عربی کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انبیاء کے علاوہ کوئی شخصیت بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ آیات و احادیث تو اتر کے ساتھ ایمان باس کو ناقابل قبول قرار دیتی ہیں۔ ان آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے کسی تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کی جاسکتی۔ آئمہ، صحابہ، تابعین اور مجتہدین نے حدیث و اجماع سے اتفاق کیا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایمان باس صحیح نہیں تو فرعون کا ایمان نہ لانا بھی ثابت ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ایمان باس صحیح ہے۔ تو بھی فرعون کا ایمان موسیٰ و ہارون پر نہیں تھا۔ لہذا محض ایمان بالحد تو قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

— گناہ کبیرہ سے ایمان ساقط نہیں ہوتا

گناہ کبیرہ بندہ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے۔ اور اعضاء کے اعمال ایمان کی حقیقت میں شامل نہیں۔ لیکن بغیر اعمال صالحہ کے ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ناقص ہے۔ اور کسی چیز کا ناقص ہونا۔ اسے بالکل معدوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کو درجہ کمال سے گرا دیتا ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن کامل ایمان نہیں رہتا۔ گناہ و فسق انسان کو کافر نہیں بناتے۔ لیکن گناہ گار بنا دیتا ہے۔ اندرین حالات یہ بات تسلیم کرنا ہوگی۔ کہ مومن دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم کے مومن غاصی و بدکردار ہیں مومن ناقص ہوتے ہیں۔ غاصق و غاصی کو قرآن نے مومن کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ اور ان پر اسلام کے سارے احکام نافذ و جاری ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ گنہگار ناسقوں کی نماز جنازہ ادا کرتے رہے ہیں۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے رہے ہیں۔ ان کے واسطے دعاؤں استغفار کرتے رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گنہگار اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

— گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ

گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ کبیرہ و صغیرہ۔ گناہ کبیرہ وہ ہے۔ جو یقینی دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس پر باقاعدہ وعید آئی ہو۔ ناحق قتل کرنا۔ زنا کا مرتکب ہونا۔ نیک منکوحہ کو زنا کی تمت لگانا۔ درچند کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔ لواطت کا ارتکاب کرنا۔ جادو کرنا۔ یتیم کا ناحق مال کھانا۔

مسلمان والدین کو تاحق سنانا۔ مکہ معظمہ کے حرم میں ممنوعہ اشیاء کا کرنا۔ سود کھانا۔ چوری کرنا۔ شراب نشہ
 آور چیز کا استعمال کرنا۔ سور کا گوشت کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ بلا وجہ سچی گواہی چھپانا۔ بلا عذر رمضان
 کے روزے نہ رکھنا۔ نماز نہ پڑھنا۔ نماز بے وقت ادا کرنا۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسمیں کھانا۔ قطع
 رحم کرنا۔ ناپ تول میں بدویانہ کرنا۔ مسلمانوں سے بلا وجہ لڑتے رہنا۔ قدرت کے باوجود امر بالمعروف
 اور نہی عن المنکر سے ہاتھ روک لینا۔ قرآن پاک یاد کر کے بھول جانا۔ کسی جاندار کو آگ میں جلانا عورت
 ہو کر اپنے خاوند کی نافرمان ہونا۔ مرد ہوتے اپنی بیوی پر ظلم و تعدی کرنا۔ میاں بیوی میں لڑائی کی بنیاد
 رکھنا۔ علمائے دین اور حافظان قرآن کی توہین کا مرتکب ہونا۔ اللہ کی مغفرت سے ناامید ہونا۔ اس
 کے عذاب سے بے خوف رہنا۔ یہ سارے اعمال گناہ کبیرہ میں شامل ہیں۔ اور مولانا جلال الدین
 دوانی روایاتی سے نقل کئے ہیں۔

حضرت روایاتی حضرت امام شافعی کے اصحاب میں سے تھے۔ بعض علماء کرام نے گناہ کبیرہ کے
 متعلق مزید امور کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر گناہ کبیرہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ شریعت میں جس کے متعلق
 وعید آئی ہو۔ اس کے ارتکاب کا نام گناہ کبیرہ ہے۔ جو ایسا نہ ہو۔ وہ گناہ صغیرہ کہلائے گا۔ چونکہ گناہ
 صغیرہ میں اتنی شدت نہیں ہے۔ اس لیے اس سے بچنا بھی دز مشکل ہے۔ مذہب مختار بھی یہی
 ہے۔ کہ گناہ صغیرہ سے تقویٰ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ بشرطیکہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔ گناہ کبیرہ کا
 مرتکب اگرچہ ایمان میں ضعف و نقصان پاتا ہے۔ مگر دائرہ اسلام سے باہر نہیں جاتا۔

— فرقہ خارجیہ اور معتزلہ کا استدلال

خارجیہ فرقہ تو کبیرہ چھوڑ کر گناہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں۔ یہ مذہب چونکہ بذات خود
 باطل ہے۔ لہذا اس کی بات قابل اعتبار نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ گناہ کبیرہ کرنے والے نہ مومن
 رہتے ہیں۔ اور نہ انہیں کافر کہا جاسکتا ہے۔ یہ پہلا مسئلہ ہے جو اسلام میں تمام مسلمانوں کے اجماع
 کے خلاف ہے۔ اور معتزلہ ہی ایسا فرقہ ہے جو بنائے اسلام میں رشتہ اندازی کرتے چلے آئے
 ہیں۔ وہ عقل و خرد کے تابع ہیں۔ وہ ظاہری نصوص کو بھی تاویلات کے چکر میں لے جاتے ہیں۔ یہ
 مذہب باطل اور ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کو دو صفوں میں رکھا ہے۔
 یا مسلمان ہیں۔ یا کافر۔ فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ -

ان دو کے بغیر کوئی بھی میری قسم نہیں ہے۔

حقیقت میں ان لوگوں نے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ ایمان کی قوت اور نورانیت کے سامنے تمام گناہ بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جس طرح نیکیاں کفر کی حالت میں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اسی طرح برائیاں بھی ایمانی قوت کے سامنے بیچ ہوتی ہیں۔ اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ ہاں کمال ایمان میں یقیناً فرق آجاتا ہے۔ اگر بطور استخفاف کے گناہ کیے جائیں۔ حرام کو حلال جانتے ہوئے گناہ کو کچھ نہ سمجھے۔ تو یہ کفریہ بات ہے۔ اور تصدیق قلبی کے خلاف ہے۔ مگر جو شخص حرام کو حرام اور حلال کو حلال جانے لگے بشریت کے تقاضا سے خواہشات نفس کا شکار ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ تصدیق قلبی جو ایمان کی جان ہے۔ دل میں موجود ہے۔ ایسا شخص مسلمان ضرور ہے۔ اگرچہ اس کے اعضاء و جوارح نافرمان ہیں۔ جو دل کا کما نہیں مانتے۔ خاص کر ایسے وقت جب عذاب کا خوف اور مغفرت کی امید اور توبہ کا ارادہ ہو۔

ان رعانتوں کے باوجود مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ گناہ کی نجوست دل کی صفائی اور ایمان تشنگنگی کو اس طرح کھودیتی ہے کہ نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور کفر کے بالکل قریب کر دیتی ہے۔ جب انسان گناہ کا عادی بن جاتا ہے۔ تو اسے کفر سے بچنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے۔ اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو یہ داغ دور ہو جاتا ہے۔ ورنہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر دل ایمانی باتیں اور حق کی گفتگو نہیں سن سکتا۔ ختم اور طبع کے یہی معنی ہیں۔ جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔

كَلَّا بَلْ دَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ - وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ - وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
ان تینوں آیات میں مختلف کیفیتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ پہلی میں ایسا نہیں جو ان کا گمان ہے۔
دوسری میں دل زنگ آلود ہوتے ہیں۔ اور تیسری میں مہر لگا دی جاتی ہیں۔

۔ گناہ کے اثرات

گناہ اگرچہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کر سکتا۔ مگر کفر کے خوف سے بچا نہیں سکتا۔ سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ دنیا کے معاملات کو بقدر ضرورت اختیار کیا جائے۔ یہ ایسا تین قسم کی احتیاطوں سے ہو سکتا ہے۔ اول اس قدر کھانا کھایا جائے کہ بھوک روکی جاسکے۔ دوسرے کپڑے اس قدر استعمال میں لائے جائیں۔ جو ستر کے لیے کافی ہوں۔ مکان اس قدر لیا جائے۔ جو گرمی و سردی سے پناہ گاہ ثابت ہو سکے۔ ان حالات میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے مباحات کے میدان میں قدم رکھنے اور آرام و آسائش کی وسعت کے دروازے کھولنا مشتبہات و مکروہات تک پہنچا دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ انسان تخرمات کا ارتکاب کرنے سے بھی باز نہیں رہتا۔ اسلام کی سرحدیں یہاں تک ختم ہو جاتیں ہیں۔ آگے کفر کی واوی ظلمات ہے۔

غرضیکہ کمال و نقصان کی ترقی و زوال کے یہی دو راستے ہیں۔ ایمان میں ترقی و کمال اسی بات سے ہوتی ہے کہ واجبات۔ سنتیں اور نفل ادا کیے جائیں۔ اور مرتے دم تک اس پر قائم رہا جائے زوال اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب انسان مشتبہات اور حرام میں پڑے۔ سلامتی اور حقیقت تو خوف و رجا کے درمیان ہی ہے۔

۔ اہل کبائر ہمیشہ کے لیے دوزخی نہیں

مومن گناہ کبیرہ کرنے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ خواہ وہ بلا توبہ ہی مر گئے ہوں کیونکہ انسان گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ اور قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ہمیشہ دوزخ تو دین کے منکروں اور کافروں کے لیے ہی ہے۔ چنانچہ گناہ گار اور مرتکبان کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ اگر وہ توبہ کے بغیر مر گئے تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں دوزخ میں رکھے گا۔ پھر معاف کر دے گا۔ اور بہشت میں داخل کر دے گا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بہشت میں رہیں گے۔

امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ بعض گناہ گار تو محض ایک لمحہ کے لیے دوزخ میں ٹھہریں گے۔ بعض ایک دن، بعض ایک سال بعض اس سے بھی زیادہ۔ لیکن دنیا کی عمر سے زیادہ کوئی مومن بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔ یہ

مدت سات ہزار برس ہے ۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ابن ابی حاتم اور ابن شاصین نے علی رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کیا

کیا ہے ۔

— مشرک ابدی و وزخی ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ مشرک اور کافر ہرگز نہیں بخشے جائیں گے۔ باقی گناہ

صغیرہ و کبیرہ کے مرتکب خواہ توبہ کریں یا نہ کریں جب اللہ تعالیٰ انہیں چاہے گا بخش دے گا۔

يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكَمُ مَا يَرِيدُ۔

اللہ جو چاہے کرے اور جو ارادہ فرمائے حکم دے۔

غرضیکہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ مومن و کافر۔ مومنین میں سے مطیع و عاصی ہیں۔ عاصیوں

میں سے توبہ کرنے والے اور توبہ سے محروم لوگ۔ کفار تو اجماعاً دوزخ میں رہیں گے۔ مومن مطیع

اور عاصی تائب بالاتفاق جنت میں جائیں گے رہا وہ گنہگار جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں

کی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں دوزخ میں رکھا جائے گا۔ اور عذاب دیا جائے گا گناہوں

کی مقدار کے پیش نظر دوزخ میں رہنے کے بعد داخل جنت کیا جائے گا۔ مگر اس کی یہ رہائی شفاعت

یا شفاعت کے بغیر یقینی ہے۔

— عذاب و مغفرت

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ۔

اللہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے بخش دے۔

گناہوں کے بخش دینے میں بہت سی احادیث ہیں۔ ایک حدیث سوال کے باب میں مذکور

ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اس کا اعمال نامہ اس

کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ جب بندہ دیکھے گا کہ اعمال نامہ میں گناہوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مگر

اعمال نامہ کی پشت پر وہ نیکیاں درج ہوں گی۔ جنہیں تمام مخلوقات دیکھ کر رشک کرے گی۔ خداوند

تعالیٰ اپنی رحمت سے حکم کرے گا۔ اے بندے دنیا میں میں نے تیرے گناہوں پر پروردگار ڈالے رکھا۔

آج بخش دیا ہے۔ اب تم بہشت میں جاؤ اور ہمیشہ رہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس کی رحمت عامہ کے پیش نظر ہے۔ عقل اسے اپنے معیار پر جانچنے سے قاصر ہے۔ اور عقل کو یہ بھی اختیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس بخشش کے حکم کے سامنے دریافت کرے۔ کہ کافر کو کیوں بخش دیا گیا۔ اسے پہلے کیوں بخشا گیا اور اسے بعد میں کیوں بخشا گیا۔

يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكِمُ مَا يَرِيدُ۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس بات کا ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ اس کا حکم خلاف وعدہ نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ وعید کے خلاف ہو۔ یہ محض اس کا کرم ہے۔ کرمیوں کی عادات ہوتی ہے کہ احسان و انعام کا وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

الْكَمِيْمُ إِذَا وَعَدَ وَفَا۔

سخمی جب وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب غصے اور عذاب سے ڈراتا ہے تو یہ اس کی وعید ہے۔ اس سے درگزر کرنا

اور مصافحہ کر دینا سہی شانِ کریمی کی ایک جھلک ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ وہ اپنے وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔ ورنہ اس

کی وعیدی خبریں سب جھوٹی ثابت ہوں گی۔ حالانکہ اس کی ذات تو جھوٹ سے مبرا اور پاک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی خبروں میں ممکن ہے۔ کہ اس کے کرم کے مقتضائے موافق مشیت

کی شرط مقدر ہو۔ اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ اور وعدے جیسے ہونے والے تھے۔ ویسے ہی ہوں۔

وہ آیات و احادیث جن میں مشیت کا بیان ہے۔ تقدیر مشیت کا قرینہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ

وعید کی خبروں سے استحقاق عذاب مراد ہے۔ اس کا وقوع بالفعل مراد نہیں۔ بعض اوقات التثاؤ

وعید بھی مراد ہے۔ حقیقتہ خبر مراد نہیں۔ ان حالات میں جھوٹ یا تکذیب واقع نہیں ہوتا۔

— گناہ صغیرہ پر سزائیں

چھوٹے گناہوں پر بھی عذاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کفر کے بغیر تمام چھوٹے بڑے گناہ مواخذہ و

عذاب اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ صغیرہ بھی گناہ ہے۔ اس لیے اس پر عذاب و مواخذہ

بھی جائز ہے۔

۔ اللہ کے رسول

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اپنے رسول بھیجے۔ وہ انسانوں کو جنت کی خوشخبری سناتے رہے اور دوزخ سے ڈراتے رہے۔ انسانوں کی دین و دنیا کے کاموں میں راہنمائی فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ خود فاعل اور مختار ہے، جو چاہتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اسے کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں۔ اور کسی چیز سے مجبور و محکوم بھی نہیں۔ عقل اس پر حکم نہیں چلا سکتی۔ بلکہ وہ اس کی خود محکوم ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے وہ تمام چیزیں جس سے بقائے عالم اور بقائے زندگانی انسان اور اس کے دنیا و آخرت کے کاموں میں اصلاح و درستی ہو سکے۔ اپنی قدرت و حکمت سے سرانجام دیتا ہے۔ وہی اس کا ضامن اور کفیل ہے۔ رزق کا دنیا، اپنے بندوں کو ہدایت کے لیے پیغمبروں کا بھیجنا، گو یہ تمام امور اس پر واجب نہیں۔ لیکن وہ اپنی عادت کریمانہ سے ان تمام کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔

چونکہ عام لوگ اس کے دربار سے کما حقہ فیضان حاصل کرنے کی براہ راست صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور عالم ملکوت تک پہنچنا بھی بڑا دشوار ہے۔ اس لیے اس نے اپنے بندوں سے بعض کو برگزیدہ بنا دیا۔ اور انہیں اپنی ذات و صفات اور اعمال کی معرفت عطا کی۔ اور جن امور میں انسان کی بھلائی تھی۔ وہ ان کو سکھا دیے۔ وہ دنیا میں آئے تاکہ اس کے بندوں کو اس کی طرف بلا سکیں۔ اور ہدایت کا راستہ دکھا سکیں۔ اور دنیا و آخرت میں جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس کی راہنمائی کر سکیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا۔ اسے نیک انسانوں کی قیام گاہ بنا دیا۔ دوزخ بنا دیا۔ اور اسے نافرمانوں کی جائے عذاب بنا دیا۔ اب ایسے اچھے کام جو انسان کو بہشت میں لے جائیں یا دوسرے کام جن سے دوزخ مقدر ہو چکی ہو۔ محض عقل سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انبیاء کرام کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو بتا سکیں۔ کہ فلاں فلاں کام سے فلاح و بہبود حاصل ہوتی ہے۔ اور فلاں فلاں برے کام تباہی کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اس صورت حال سے مخلوق کے پاس کسی قسم کی حجت یا عذر باقی نہیں رہتا چنانچہ فرمایا۔

لَيْسَ لَكَ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ -

تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آنے کے بعد اللہ پر کوئی حجت یا عذر نہ رہے۔

اور پھر فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

ہم نے اپنے رسول کو رحمت عالم بنا کر بھیجا۔

فی الواقع تمام علوم کے مادے اور اصول خواہ وہ زمین سے متعلق ہوں یا آسمان سے حضرات انبیاء کے فیضان کا نتیجہ ہیں۔ علم کا مبداء اور سرچشمہ تو وحی آسمانی ہے۔ تمام علما اور حکماء اسی سے ہی علوم حاصل کرتے ہیں۔ سب نے اسی سرچشمہ سے پانی پیا۔ یہ ممکن ہے کہ قیاس، اجتہاد و معاہدہ کے سبب علما کرام نے بہت سے باتیں بڑھائی ہوں۔ اور لوگوں کے اطمینان کے لیے انہیں مختلف انداز میں بیان کیا ہو۔ مگر یہ تمام چیزیں تو علوم وحی کی شرح و تفسیر ہی ہیں۔

اگر یہ خیال گذرے کہ بعض علوم تو شریعت کے مخالف ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے۔ ہمارے پاس اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قاعدہ قدرت تو اسی طرح ہے۔ کہ شرائع سابقہ منسوخ ہوں۔ وقت کے مطابق احکام بدلے جائیں۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ بعض لوگ تو پہلے دین پر قائم رہے۔ اور نئے پیغمبر کی متابعت کی مخالفت کرنے لگے۔ اور اس طرح وہ بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے بھی محروم رہے۔ بعض نے تحریف کر کے بعض چیزیں اپنی طرف سے بڑھا دیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہوئی۔ کہ انہوں نے اپنی عقل فضول سے ادھام باطلہ اور خیالات فاسدہ کو بروئے کار لاتے ہوئے بحث و جدل اور قیل و قال کے دروازے کھول دیے۔ ایک طبقہ تو اس طرح کہنے لگا کہ دنیا کے حکماء نے اپنی ریاضت و استدلال سے کسی کی مدد کے بغیر ہی علوم ایجاد کر لیے ہیں۔ اور انہیں کسی دوسرے واسطے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کا یہ خیال بڑا غلط اور بعید از علم تھا۔

در اصل علم کے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تو استاد ہی ہے۔ مطالب زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا تو اپنے فہم و استنباط کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں اس نکتے کو یوں واضح کیا ہے۔

انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم۔

علم سیکھنے سے آتا ہے۔ اور علم پروردگاری سے سسر ہوتا ہے۔

معجزات انبیاء اور تائید الہی

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی تائید معجزات اور آیات سے فرمائی ہے۔ ان چیزوں سے یقین و ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ہر ایک دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم کا

یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے سفیر ہیں۔ تو معجزات ان کے دعوے کی دلیل ہے۔
— معجزہ کیا ہے؟

معجزہ اس خرق عادت کو کہتے ہیں۔ جو مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ اور اس کے دعویٰ کی تائید کرے اور غیر نبی ایسا معجزہ پیش کرنے سے عاجز ہو۔ خرق عادت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کے بغیر ہی ایسا کام نبی کے ہاتھوں ظاہر ہو۔ جسے ہم سمجھنے سے عاجز آجائیں۔ حکیم مطلق نے دنیا کے تمام امور اسباب پر موقوف رکھے ہیں۔ قانون قدرت یہی ہے۔ کہ بغیر اسباب کے کوئی کام پیدا نہیں کرتا۔ اسی کو عادت کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنی قدرت سے اس عادت کو توڑ دیتا ہے اور کسی ظاہری سبب کے بغیر ہی اپنے رسول کے ہاتھوں پورا کر دیتا ہے تاکہ یہ چیز اس کی رسالت کی دلالت بن سکے۔ چنانچہ معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ نہ کہ رسول کا۔ کیونکہ قانون قدرت کو توڑنا انسان اختیار سے باہر ہے۔ معجزہ نبی کی صداقت کی یقینی دلیل ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور مجال الکار نہیں رہتی یہی نفس کی جبلتی اور پیدائشی خاصیت ہے۔

نبوت کا دعویٰ ایک غیر معمولی اور عظیم الشان کام ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دلیل بھی اتنی قوی ہونی چاہیے۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے غلبے اور رعب کے سامنے کسی کے پاؤں نہیں جھکتے۔ اور اختیار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس عقلیہ و نقلیہ دلائل تو گویا چند گرہ ہیں۔ جو خیال کے دھاگے میں لگا دی جاتی ہیں۔ ان سے دشمن کو الزام دینا۔ اور اسے ساکت کرنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ نزاع و جدال کا راستہ ان سے مسدود نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ علم الکلام اور فلسفہ کے دلائل یقینی نتائج لانے سے عاجز رہے ہیں۔

اگر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایک انسان منکر اور کافر رہے۔ تو یہ بات اس کی ازلی بد نصیبی اور دلی عناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔

— اول الانبیاء اور خاتم الانبیاء

سب انبیاء سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور سب کے آخرین یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور مکارم اخلاق کا پورا کرنا مقصود تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہو گیا۔ اور اخلاق مکمل ہو گئے۔ تو حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی۔ حضور کے خلفاء اور امت کے علماء ہی اسلام کے محافظ اور مددگار بن گئے۔ اور قیامت تک اس کی اشاعت و نگہبانی کے لیے کافی ہیں۔

— انبیاء کی تعداد

بتدریج ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد مقرر نہ کی جائے۔ بعض حدیثوں میں اگرچہ تمام انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان ہوئی ہے۔ مگر قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔
وَرَسُولًا فَدَقَّصَّصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرَسُولًا لَكَ نَقَّصَّصْنَاهُمْ عَلَيْكَ -
ان میں سے بعض انبیاء کا حال تو بیان کر دیا ہے۔ اور بعض کا بیان نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس خبر کے بعد فرمایا گیا ہو۔ چونکہ قرآن کریم میں تعداد بیان نہیں کی گئی۔ لہذا اس کے مجمل اور پوشیدہ رکھنے میں احتیاط ہے۔

— ذوالقرنین کی نبوت

بعض علماء نے ذوالقرنین کو پیغمبر تسلیم کیا ہے۔ مگر اکثر کی رائے ہے۔ کہ وہ ایک مسلمان انصاف پسند بادشاہ تھا۔ ہمارے نزدیک بھی یہی بات درست ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی خیال ہے۔ بعض علماء نے کرام نے اسے فرشتہ لکھا ہے۔ مگر یہ بات بعید از قیاس ہے۔ علماء تاریخ نے نام میں بھی اختلاف کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا نام اسکندر تھا۔ بعض مورخین نے عبد اللہ مرزبان مرزبان اور برمن لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نام کتابوں میں آتے ہیں۔
سکندر رومی فیلسوف کا بیٹا تھا۔ جس کے مشیر و مصاحب حضرت خضر تھے۔ جس نے چشمہ آب حیات کی جستجو کی مگر نہ پاسکا۔ اسکندر یونانی ایب اور شخص ہوا ہے۔ وہ یونان یافت کے بیٹے نوح علیہ السلام کے پوتے کی اولاد میں تھا۔ اور اس کا وزیر اسطو تھا۔

بعض علماء تاریخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے۔ امام حدیث و تفسیر حضرت ابن الحق

نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ چار آدمیوں کے مشرق سے مغرب تک دنیا کو فتح کیا۔ ان میں دو مسلمان اور دو کافر تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین اور کافروں میں سے نمرود اور بخت نصر۔

آخرین زمانہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔

سکندر کا نام ذوالقرنین کی وجہ بھی مختلف علماء نے مختلف انداز سے پیش کی ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ وہ دو قرن زمین کا مالک تھا۔ (یعنی مشرق و مغرب کا یا روم و فارس یا روم و ترکی کا) اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے دو گیسوتھے۔ اس لیے ذوالقرنین کہا جاتا رہا۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ اس کے سر پر دو سینگ تھے۔ اس واسطے اسے ذوالقرنین کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا۔ بعض کے نزدیک اس کے سر پر پیل کی طرح دو سینگ تھے۔ ایک قول یوں بھی ہے۔ اس نے دو قرن بادشاہی کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جہاد میں اس کے سر پر دو زخم آئے اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جانے لگا۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحابی حضرت ابن کور سے لوگوں نے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ ذوالقرنین پیغمبر نہیں تھا۔ وہ ایک خدا ترس انسان تھا اور اس کے سر پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے دامنی طرف زخم آگیا جس سے جان بحق ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر زندہ کیا۔ پھر بائیں طرف زخم آیا۔ اور وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر زندگی دی۔ اس وقت سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس کے دونوں اطراف کا مالک بن گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا ہے۔

حضرت لقمان کی نبوت

آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے خواہر زادے یا خالہ زاد بھائی ہیں۔ بعض علمائے تاریخ نے لکھا تھا کہ آپ نبی تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ولی اللہ اور حکیم تھے۔ انہوں نے اپنی عمر میں ایک ہزار پیغمبروں کی خدمت اور شاگردی کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے۔ بادشاہ نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ غلام تھے۔ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ مگر اللہ نے انہیں برگزیدہ بنا دیا۔ حکمت

و عمل اور جو انگریزی کے انعامات سے آپ کو نوازا، اور اپنی کتابوں میں آپ کا ذکر اچھے انداز میں فرمایا۔

— حضرت خضر علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق یہ روایت بالکل صحیح ہے، کہ وہ دراز عمر نبی ہیں، مخلوقات ارضی کی آنکھوں سے محبوب نہیں، آب حیات سے مستفیض ہوئے ہیں، اور قیامت تک زندہ رہیں گے، بعض علماء انہیں صرف ایک ولی اللہ کی حیثیت سے جانتے ہیں، بعض آپ کو فرشتہ تصور کرتے ہیں، مگر یہ خیال باطل ہے، جمہور اہل علم و تحقیق کی یہی رائے ہے کہ وہ زندہ ہیں، اور جب تک دنیا میں قرآن پاک موجود ہے، انہیں موت نہیں آئے گی۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے۔

« خضر (خ) کی زبر اور ضاد نقطہ دار کے زبر اور خ کسر کے زیر اور ضاد نقطہ دار کے سکون سے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، کا نام تلمیا بن ملکان ہے، بعض کہتے ہیں، کہ وہ فرعون کے لڑکے تھے، مگر یہ بات نہایت عجیب و غریب اور شاذ ہے، بعض کہتے ہیں، مالک کے بیٹے الیاس کے بھائی ہیں، بعض کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے صلیبی فرزند ہیں۔

غرضیکہ بالفاق مشائخ صوفیہ اور جمہامیر علمائے امت خضر علیہ السلام زندہ ہیں، اور محدثین کا ایک طبقہ جن میں حضرت امام بخاری، ابن المبارک، ابن عربی اور ابن جوزی ہیں، خضر علیہ السلام کی زندگی سے انکار کرتے ہیں، ان حضرات کے سامنے وہ حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی جاندار بھی سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا، مگر اس حدیث کے معانی میں تاویل و تفسیر سے کام لیا جاتا ہے۔

خضر علیہ السلام کی ملاقات اولیاء اللہ کے ہاں بڑی معروف بات ہے، وہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے، حضور کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کے پاس تعزیت کے لیے آئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ:

لَوْ كَانَ خَضْرًا مَيِّتًا لَزَارَكُ

اگر خضر زندہ ہوتے تو میں ان سے ملاقات کرتا، ملاقات خضر سے پہلے کا ہے، اس قسم کی ملاقات عرف و عادت پر ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث و روایت کی

ہیں۔ اور بعض مشائخ نے یہ احادیث حضرت خضر سے براہ راست سنی ہیں۔

— عورتوں کی نبوت

حضرت مریم۔ آسیہ۔ سارہ۔ ہاجرہ۔ حوا اور ام موسیٰ (جن کا نام تھا) علیہن السلام کی نبوت کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے۔ مگر یہ صحیح ہے کہ نبوت مردوں سے ہی منحصر ہے۔ اور قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ -

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں۔ وہ مرد ہی تھے۔ جن کی طرف وحی آتی رہی۔ اگرچہ قرآن پاک میں مذکورہ بالا عورتوں پر بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ اور ان کا تذکرہ پیغمبروں کے ساتھ آیا ہے۔ لیکن اس بات سے ان کی پیغمبری اور نبوت ثابت نہیں ہو سکتی۔ وحی سے ان مقامات پر امام و اعلام مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ -

تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی۔ انبیاء کے ساتھ ان نیک عورتوں کا تذکرہ ان کی بزرگی اور عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔

عصمت انبیاء

تمام انبیاء کرام گناہوں سے پاک۔ سچے اور خدا کی طرف سے احکام پہنچانے والے تھے۔ وہ اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوئے۔ جو کچھ بھی پیغمبروں نے کہا۔ ہمیشہ سچ کہا۔ اور جو کچھ وہ لائے وہ اپنے اللہ کی طرف سے لائے۔ انہوں نے ہمیشہ امر و نواہی کے احکام کو کما حقہ پورا کیا۔ وہ گناہوں سے پاک تھے۔ ان کا دعویٰ معجزہ سے ثابت ہوتا رہا۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کہا۔ اپنے اللہ کی طرف سے کہا۔

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ -

رسول کے ذمہ بجز پیغام حق پہنچانے کے کچھ نہیں۔ اگر وہ جھوٹ بولیں۔ تو ان کے یہاں بھیجنے کی حکمت باطل ہو کر رہ جائے۔ اور اگر وہ خود ہی گناہ میں ملوث ہو جائیں۔ تو مخلوق خدا ان سے نفرت کرنے لگے۔ نصیحت و ارشاد کے سرچشمے بند ہو جائیں گے۔ چنانچہ انبیاء کرام جھوٹ اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہیں۔ نہ ان سے قصداً گناہ سرزد ہوتا ہے۔ اور نہ ہی بھولے سے۔ صغیرہ گناہ بھی ان سے عموماً

نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض علمائے کبیرہ بھولے سے اور صغیرہ قصداً جائز لکھا ہے۔ لیکن وہ گناہ جس سے عوام میں نفرت پھیلے یا ان کے درجات میں فرق ڈال دے۔ کسی صورت بھی سرزد نہیں ہوتا۔ وہ ایک لقمہ برابر چوری کے ترکیب نہیں ہوتے۔ اور کسی حقیر سے حقیر چیز پر ان کی نیت خراب نہیں ہوتی۔ وہ معاملات میں رتی بھر بھی کمی و بیشی روا نہیں رکھتے۔

— انبیاء کی لغزشیں

جمہور اہل سنت کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیب دیتا ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین مدینہ کے بعض علماء۔ محدثین اور فقہانے قصیدہ امالہ کی شرح میں یوں بیان فرمایا ہے۔ انبیاء سے احکام الہی کے پہنچانے اور رسالت کے متعلق امور کو سرانجام دینے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ بعض صغیر معاملات میں سہو سرزد ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ چنانچہ سچو سچو کے باب میں مذکور ہے۔ کہ انبیاء کرام سے جو خطائیں یا لغزشیں منسوب ہیں۔ بعض تو ان میں سے صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں۔ اور ان کی تاویل میں کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی ظاہری صورت پر اعتقاد نہیں کرنا چاہیے۔

— انبیاء کی ابدی زندگی :-

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی معزول نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مراتب و درجات رسالت انہیں عطا فرمائے ہیں۔ وہ ان سے کبھی نہیں چھینتا۔ رسالت موت کے بعد بھی قائم و جاری رہتی ہے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہیں گے۔ کہ انبیاء کرام کو موت نہیں آتی۔ اور زندہ جاوید ہیں۔ اور باقی ہیں۔

ان کے واسطے بس ایک ہی موت ہے۔ جو ایک دفعہ واقع ہوئی۔ اس کے بعد ان کی رو میں انہیں بدنوں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ اور جو زندگی انہیں دنیا میں دی جاتی ہے۔ وہی زندگی ان کی عالم برزخ میں ہوتی ہے۔ انبیاء کی حیات شہدا کی زندگی سے کمال تر ہوتی ہے۔ کیونکہ شہدا کی زندگی پوشیدہ اور معنوی ہوتی ہے۔

— شریعت اور نبوت :-

کسی نبی کی شریعت کے منسوخ ہونے سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ اس کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی ہے۔ اولیاء اللہ معزول ہونے کے خوف سے اور خاتمہ بالخیر کے لیے ہر وقت مقام خطر میں رہتے ہیں۔

اگر ان کا خاتمہ بالایمان ہو تو ولی ہیں۔ ان کی موت نیند کی طرح ہوتی ہے۔

— قبروں سے استعانت و استمداد —

قبروں سے امداد و اعانت طلب کرنے کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں انبیاء کرام کے علاوہ تمام لوگوں کی قبروں کی زیارت محض عبرت اور موت کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہے۔ قبروں کی زیارت سے مردوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کے حق میں استغفار فائدہ رساں عمل ہے۔ نبی علیہ السلام کلبقح کی قبروں کی زیارت کرنے کے لیے جانا تو احادیث متواتر سے ثابت ہے۔ لہ

لہ استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات و مالک مستقل و غنی بے نیاز جانے کہ بے عطائے الہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے۔ اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے۔ بلکہ واسطہ وصول فیض و ذریعہ و وسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں۔ اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا۔

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو یا اس معنی استعانت بال غیر ہرگز اس حصر ایاک تستعین کے منافی نہیں جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کیے۔ موجود ہونا۔ خاص بجناب الہی تعالیٰ و تقدس ہے۔ پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کرنا شرک نہ ہو گیا۔ جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد نہ لے۔

حقائق الاشياء ثابتة۔

پہلا عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔ یوں ہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو۔ اور تعلیم حقیقی کہ بذات خود بے حاجت بدیگر القائے علم کرے اللہ جل جلالہ سے خاص ہیں۔ پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم و علماء فرماتا ہے۔ اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد کرتا

ہے۔

مشائخ صوفیا کہتے ہیں۔ کہ بعض اولیاء اللہ کا تصرف عالم برزخ میں بھی باقی رہتا ہے۔ اور ان

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

یہ نبی انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا کرتا ہے۔ یہی حال استغانت و فریاد رسی کا ہے۔ کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور معنی وسیلہ و توسل و توسط غیر کے لیے ثابت اور قطعاً ردا بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں۔ اللہ عزوجل وسیلہ و توسل و توسط بننے سے پاک ہے۔ اس سے اوپر کون ہے۔ کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے۔ کہ بی بیچ میں واسطہ بنے گا۔

حدیث میں ہے۔ جب اعرابی نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ و سلام علیہ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بنا دیتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا۔ دیر تک سبحن اللہ سبحن اللہ فرماتے رہے۔ پھر فرمایا۔

وَيَحْكُمُ إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللَّهِ عَلَى أَحَدٍ شَانَ اللَّهِ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ۔

ارے نادان اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں۔ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔ ساواہ ابوداؤد عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اہل اسلام انبیاء اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہی استغانت کرتے ہیں۔ جو اللہ عزوجل سے کیجیے۔ تو اللہ اور اس کا رسول غضب فرمائیں۔ اور اسے اللہ جل و علا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ استغانت کے معنی اعتقاد کر کے جناب الہی جل و علا سے کرے تو کافر ہو جائے۔ مگر وہابیہ کی بد عقلی کو کیا کیجیے۔ نہ اللہ کا ادب نہ رسول سے خوف نہ ایمان کا پاس۔ خواہی نخواہی اس استغانت کو بھی ایسا دستغین میں داخل کر کے جو اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے خاص کیے دیتے ہیں۔ ایک بیوقوف نے کہا تھا۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

عہ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عہہ جل جلالہ ۱۲ منہ سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ منہ

کی ارواح مقدسہ سے استمداد و استعانت فائدہ مند ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ

فقیر غفر اللہ تعالیٰ اسے کما۔ سہ

توسل کر نہیں سکتے خدا سے اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا سے توسل کر کے اسے کسی کے یہاں وسیلہ و ذریعہ بنائیے
اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں۔ کہ وہ بارگاہ الہی میں ہمارا وسیلہ و ذریعہ
و واسطہ قفلے حاجات ہو جائیں۔ اس بیوقوفی کے سوال کا جواب اللہ عز و جل نے اس
آیہ کریمہ میں دیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْا ظِلْمًا لِنَفْسِهِمْ جَاءُوا ذَكَرًا فَاسْتَعْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَعْفَرَ
لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کر کے تیرے پاس حاضر ہوں پس اللہ سے معافی
چاہیں۔ اور معافی مانگے۔ ان کے لیے رسول توبے شک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان
پائیں۔ کیا اللہ تلے اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اسے نبی تیرے پاس
حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و نعمت پائیں گے یہی ہمارا
مطلب ہے جو قرآن کی آیت صاف فرما رہی ہے۔ مگر وہابیہ تو عقل نہیں رکھتے۔ خدا را
انصاف اگر آیت کریمہ یا یا ک فستعین میں مطلق استعانت کا ذات الہی جل و علا میں حصر
مقصود ہو تو کیا صرف انبیاء و اولیاء طہیم الصلوة والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی کیا
یہی غیر خدا ہیں۔ اور سب اشخاص و اشیاء وہابیہ کے نزدیک خدا ہیں۔ یا آیت میں خاص
انہیں کا نام لے دیا ہے۔ کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے نہیں۔ نہیں جب مطلقاً
ذات احدیث سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھہری۔ تو کیسی ہی استعانت کسی
غیر خدا سے کی جائے۔ ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی۔ کہ انسان ہوں یا جمادات احمیا
ہوں یا اموات ذوات ہوں یا صفات افعال ہوں یا حالات غیر خدا ہونے میں سب
داخل ہیں۔ اب کیا جواب ہے۔ آیہ کریمہ کا کہ رب جل و علا فرماتا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ جو حضرات بحالت زندگی برکات دیا کرتے تھے۔ وہ بعد از وفات تو اس

استغانت کرو۔ صبر و نماز سے۔ کیا صبر خدا ہے۔ جس سے استغانت کا حکم ہوا ہے کیا نماز خدا ہے۔ جس سے استغانت کو ارشاد کیا ہے۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ۔

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری پر۔ کیوں صاحب اگر غیر خدا سے مدد ملنی مطلقاً محال تو اس حکم الہی کا حاصل کیا۔ اور اگر ممکن تو جس سے مدد مل سکتی ہے۔ اس سے مدد مانگنے میں کیا زہر گھل گیا۔ حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے۔ کہ صبح کی عبادت سے استغانت کرو۔ شام کی عبادت سے استغانت کرو۔ کچھ رات رہے کی عبادت سے استغانت کرو۔ علم کے لکھنے سے استغانت کرو۔ سحری کے کھانے سے استغانت کرو۔ دوپہر کے سونے سے استغانت و صدقہ سے استغانت کرو۔ عورتوں کی خانہ نشینی میں انہیں ننگا رکھنے سے استغانت کرو۔ عیبت روائیوں میں حاجتیں چھپانے سے استغانت کرو۔ کیا یہ سب چیزیں وہابیہ کے خدا ہیں۔ کہ ان سے استغانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنیے۔

(۱) البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعینوا بالغدوة والروحة وشئ من الدلجة۔

(۲) الترمذی عن ابی ہریرۃ

(۳) والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعن بيمينك على حفظك۔

(۴) ابن ماجہ والحاکم والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا بطعام السحر علی صیام النہاس وبالقبولۃ علی

وبرکت دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع امت

قیام الیوم۔

(۵) الدیلمی فی مسند الفردوس عن عبد اللہ بن عمر ورضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی الرزق بالصدقة۔

(۶) ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی النساء بالعمی فان احدھن اذا کثرت ثیابھا واحسنت زینتھا اعجبھا الخروج (۷) الطبرانی فی الکبیر والعقیلی وابن عدی وابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الشعب عن معاذ بن جبلؓ۔

(۸) والخطیب عن ابن عباسؓ۔

(۹) والخلعی فی فوائدہ عن امیر المؤمنین علیؓ المر تضاہ۔

(۱۰) والخرائطی فی اعتلال القلوب عن امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی انجاح الحوائج بالکتمان۔

یہ دس حدیثیں تو افعال سے استغانت میں ہوئیں۔ بیس حدیثیں اشخاص سے استغانت میں لیجیے۔ کہ بتیشل احادیث کا عدد کامل ہو۔

احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ بسند صحیح ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انا لا نستعین بمشرك۔

ہم کسی مشرک سے استغانت نہیں کرتے۔ اگر مسلمان سے استغانت بھی ناجائز ہوتی تو مشرک کی تجنیس کیوں فرمائی جاتی ولہذا امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا۔ ارشاد فرماتے۔

سے ثابت ہے۔ اور بحالت حیات اور بعد وفات ہر حالت میں روح کترتا رہتا ہے۔ بدن

أَسْلِمَ أَسْتَعِينَ بِكَ عَلَى أَمَانَةِ الْمُسْلِمِينَ -

مسلمان ہو جا کر میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔ وہ نہ مانا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے۔

أَنَا لَأَسْتَعِينَ بِالْمَشْرُكِينَ عَلَى الْمَشْرُكِينَ -

ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔

وسواہ الامام احمد ایضاً۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے۔ چند قبائل عرب نے حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت کی۔ حضور والا نے مدد عطا فرمائی۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اتاه رعل و ذکوان و عصبیة و بنو لحيان فزعموا انهم قد

اسلموا و استمدوا علی قومهم فامدهم النبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم السہایت۔

صحیح مسلم و البوداؤد و ابن ماجہ و معجم کبیر طرانی میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے ہے۔ حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ مانگ

کیا مانگتا ہے۔ کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ عرض کی میں حضور سے سوال کرتا ہوں۔ کہ جنت میں

حضور کی رفاقت عطا ہو۔ فرمایا بھلا اور کچھ عرض کی۔ بس میری مراد تو یہی ہے۔ فرمایا۔ تو

میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجد سے۔

قال كنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانیتہ

بوضوئہ و حاجتہ فقال لی سل۔ و لفظ الطبرانی فقال یومًا

یا ربیعة سلنی فاعطیک رجعتنا الی لفظ مسلم قال فقلت

کو تصرف سے کوئی تعلق نہیں۔ اور متصرف حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اسْأَلُكَ مِرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتَ هُوَ ذَلِكَ قَالَ
فَاعْنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ -

الحمد للہ یہ جلیل و نفیس حدیث صحیح اپنے برابر فقرہ سے وہا بیت کش ہے حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے آجی فرمایا کہ میری اعانت کر۔ اسی کو استعانت کہتے ہیں۔ یہ درکنار
حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلق طور پر سنی فرمانا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ جب ان
وہا بیت پر کیسا پاڑ ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما
سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔ جب تو بلا تفسیر و
تخصیص فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی
شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔ از اطلاق سوال کہ فرمودہ سل بحمدہ
تخصیص نکر و مطلق خاص معلوم میشود کہ کار ہمد بست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہر چہ خواہد و ہر کر خواہد باذن پروردگار خود و ہدے

فان من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم
علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

يُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِمْرَ بِالسُّؤَالِ اِنَّ
اللَّهَ تَعَالَى مَكْنُ مِنْ اَعْطَا كُلَّ مَا اَنَادَ مِنْ خَوَائِشِ الْحَقِّ -

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا۔ اس سے استفادہ
ہوتا ہے۔ کہ اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے
جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں پھر لکھا۔

وذكر ابن سبع في خصائصه وغيره ان الله تعالى اقطع ارض
الجنة يعطي منها ما شاء لمن يشاء -

یعنی امام ابن سبع وغیرہ علمائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ میں
ذکر کیا ہے۔ کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور کی جاگیر کر دی ہے۔ کہ اس میں سے

— ولایت کے معانی : — ولایت کے معانی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت

جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں ۔

امام اہل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی جو بہر مشتم میں فرماتے ہیں ۔

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الذی جعل خزائن
کرمہ وموائد نعمہ طوع یدایہ وتحت ارادۃ یتعطی منها من یشاء
وینعم من یشاء

بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم
کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خزانے حضور کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور کے
زیر حکم ارادہ و اختیار کر دیے ہیں ۔ کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں ۔ اور جسے چاہیں نہیں
دیتے ۔

پھر اس جلیل حدیث میں سب سے بڑھ کر جان و ہا بیت پر کیسی آفت کہ حضور قدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
خود حضور سے جنت مانگی کہ ۔

اسألك ہر افقتك فی الجنة ۔

یا رسول اللہ میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والاسے مشرف ہوں ۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔

اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ ۔

خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس ۔

وفی لفظ اطلبوا الخیر والحوامیج من حسان الوجوہ ۔

نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو ۔

وفی لفظ اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوہ ۔

حاجتیں خوش جمالوں کے پاس طلب کرو ۔

وفی لفظ اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوا عند حسان الوجوہ ۔

موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک یہ بات

جب نیکی چاہو تو خوب رویوں کے پاس طلب کرو۔

وفي لفظ اذا طلبتم الحاجات فاطلبوها عند حسان الوجوه۔

جب حاجتیں طلب کرو تو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفي لفظ بزيادة فان قضى حاجتك قضاهما بوجه طلق وات

ردك سادك بوجه طلق۔

کہ خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشاوہ روئی اور تجھے پھیرے گا۔ تو

بکشاوہ پیشانی۔

اخرجہ الامام البخاری فی التاریخ و ابوبکر بن ابی الدنیا فی قضاء الحاجات

و ابویعلیٰ فی مسندہ و الطبرانی فی الکبیر و العقیلی و ابن عدی و

البیہقی فی شعب الایمان و ابن عساکر۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فرماتے ہیں۔

قد سمعنا نبینا قال قولا هو لمن يطلب الحوائج راحة

اغتدا و اطلبوا الحوائج من زين الله وجهه بصباحة

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ

وہ حاجت مانگنے والوں کے لیے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ صبح کرو اور حاجتیں

اس سے مانگو۔ جس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔ رواہ العسکری

حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ و علیٰ آلہ فرماتے ہیں۔

اطلبوا الفضل عند الرساء من امتی تعیشوا فی الکفاح فان فیہم رحمتی۔

فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو۔ کہ ان کے سائے میں چین کرو گے۔

کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفي لفظ اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمة من امتی توزقوا و تنجوا۔

ثابت ہے۔ کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار و اسرار کا عکس قبول کرتی

اپنی حاجتیں میرے رحم دل اقیوں سے مانگو۔ رزق پاؤ گے مرا میں پاؤ گے۔
 و فی لفظ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اللہ عز وجل
 اطلبوا الفضل من الرجاء من عبادی تعیشوا فی اکتافہم
 فانی جعلت فیہم رحمتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فضل میرے رحم دل بندوں سے مانگو۔ ان کے دامن میں عیش کرو
 گے۔ کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔

رواہ باللفظ الاول ابن جبان والنخراطی فی مکارم الاخلاق والقضا
 فی مسند الشہاب والحاکم فی التاریخ و ابوالحسن الموصلی وباللثانی
 العقیل والطبرانی فی الاوسط وبالثلث العقیلی کلہم عن ابی سعید
 الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کہ حضور والا ارشاد فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اطلبوا المعروف من رجاء منی تعیشوا فی اکتافہم۔
 میرے نرم دل اقیوں سے نیکی و احسان مانگو۔ ان کے نکل عنایت میں آرام کرو گے۔
 اخوجہ الحاکم فی المستدرک عن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسفی
 کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اذا ضل احدکم شیاء و ارا دعونا و هو بارض لیس بہا انیس
 فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ
 اعینونی فان اللہ عباد الا یواہم

جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھولے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں
 کوئی مہدم نہیں تو اسے چاہیے یوں پکارے۔ اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو۔ اے
 اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے
 ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ وہ اس کی مدد کریں گے۔ والحمد للہ رواہ الطبرانی

ہے۔ جیسے ایک آئینے کے مقابلے میں دوسرا آئینہ رکھا جائے۔ اور اس میں عکس پڑے۔ اولیاء اللہ

عن عتبة بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے۔

فیناد یا عبادا للہ احبسوا۔

تویوں ندا کرے۔ اے اللہ کے بندوں روک دو اللہ اسے روک دیں گے۔

رواہ ابن السنی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یوں ندا کرے۔

اعینوا یا عبادا للہ۔

مدد کرو اے اللہ کے بندو۔

رواہ ابن ابی شیبہ والبخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

شفاء السقام امام علامہ مجتہد فہمہ سیدی تقی المذواذین علی بن عبدالکافی و کتاب
الاذکار امام اجل اکمل سیدی ابو ذکریا نقوی و احیاء العلوم وغیرہ تصانیف عظیمہ امام الانام حجتہ
الاسلام قطب الوجود محمد غزالی و روض الریاضین و خلاصۃ المفائیر و نشر الحاسن وغیرہ تصانیف
جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ فقیہ محقق عبداللہ بن اسعد یافعی و حصن حصین امام شمس الدین
ابوالخیر ابن جزری و مدخل امام ابن الحاج محمد عبد ریی مکی و مواہب لدنیہ و منح محمدیہ امام
احمد قسطلانی و افضل القری لقراءہ القرع و جوہر منظم و عقود الجمان وغیرہ تصانیف امام عارف
باللہ سیدی ابن حجر مکی و میزان امام اجل عارف باللہ عمد الوہاب شعرائی و حرز ثمین ملا علی
قاری و مجمع بحار الانوار علامہ طاہر فتنی و لمعات التنقیح و اشعۃ لللمعات و جذب القلوب
و مجمع البرکات و مدارج النبوة وغیرہ تصانیف شیخ شیوخ علماء البند مولانا عبدالحق محدث
دہلوی و فتاویٰ خیرہ علامہ خیر الملک والدین رملی و مراقی الفلاح علامہ حسن دفائی شہنشاہی و
مطالع المسرات علامہ قاسمی و شرح مواہب علامہ محمد زرقانی و نسیم الریاض علامہ شہاب
الدین خفاجی وغیرہ تصانیف کثیرہ علمائے کرام و سادات اسلام جن کی تحقیق و تنقیح و اثبات
و تصریح استمداد و اعانت سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں۔

کے مثالی بدن بھی ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہو کر وہ طالبان امداد کی دستگیری کرتے رہتے ہیں جو

تصحیح المسائل وسیف الجبار و بوارق محمدیہ وغیرہ تصانیف نفیستہ عماد السنۃ
معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہ المقبول بھی دیکھیں یہ تو عام فہم زبان اردو
فارسی میں خاص تمہارے ہی مذہب میں تصنیف ہوئیں۔ اور بحمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر
راحت قلوب صادقین و غیظ صدور عارفین ہوا کہین علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواح
قدس جس میں خاص خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ قائل و ہابیت قبیحہ منقول ہیں۔

دربارہ استغانت صوفیہ کرام کے اقوال افعال احوال اعمال سے دفتر بھرے ہیں۔
دربارہ رہے ہیں۔ اس ویدے کی صفائی کا کیا کہنا۔ ذرا آنکھوں پر ایمان کی عینک لگا کر
حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظہ
ہو۔ اس مسئلہ میں حضرات اولیائے کرام قدس سرہ ہم سے کیا ذکر کرتے ہیں۔ فرطے
ہیں۔ آنچہ مروی و محکی ست از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل و استفادہ از
خارج از حصر ست و مذکور ست در کتب در سائل ایشان و مشہور ست میاں ایشان
حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اور اکلمات ایشان عافانا
اللہ من ذلک۔

اللہ اکبر ان منکران بے دولت کی بے نصیبی۔ یہاں تک پہنچی کہ اکابر علماء و عرفا کو کلمات
حضرات اولیائے کرام سے انہیں نفع پہنچنے کی امید نہ رہی اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔ یوں
نہ مانئے۔ تو آزمائیجیے۔ اور ان ہزار ہزار ارشادات بے شمار سے امتحاناً صرف
ایک کلام پاک فرزند و لبند صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کریں جو تہذیب
اعاظم اولیائے اولیاء و امام الاصفیاء قطب الاقطاب و تاج الاقرا و مرجع الابدال صنفزع
الافراد اور باعتراف اکابر علماء امام شریعت و سردار امت و محی دین و ملت و نظام طریقت
و بحر حقیقت و عین ہدایت و دریائے کرامت ہے۔ وہ کون ہاں وہ سید الاسیاد و اہمب
المراد سیدنا و مولانا و ملاذنا و ملوٹنا و غوثنا و غیثنا حضرت قطب عالم و غوث اعظم سید ابو محمد
عبد القادر حسنی حسینی جیلانی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وہ

لوگ اس بات کے منکر ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا محض زبانوں پر مشہور ہو۔ بلکہ اکابر و اجلہ ائمہ کرام و علمائے عظام مثل امام اجل عارف باللہ سید القراء ثقہ ثبوت حجت فقیہ محدث راویۃ المحضرة العلیۃ القادریۃ سیدنا امام ابوالحسن نور الدین علی بن جریر نخعی شطنوفی پھر امام اکرم شیخ الفقہاء و العرفاء عالم ربانی عامل نوائے حکمت یمانی سیدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکی پھر فاضل اجل فقیہ اکمل محدث اجمل شیخ الحرم المحترم مولانا علی قاری حنفی ہروی مکی ولقبۃ السلف جلیل الشرف صاحب کرامات عالی و برکات و معالی مولانا محمد ابوالمعالی مسلمی معالی پھر شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہ عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیر ہم کبرائے ملت و علمائے امت قد سنا اللہ تعالیٰ باسرار ہم و افاض علینا من برکاتہم و انوارہم نے اپنی تعالیم جلیلہ جمیدہ معتمدہ مستندہ مثل سبحة الاسراء شریف و خلاصۃ المفاتیح و نزہۃ الخاطر الفاتر و تحفہ قادریہ و اخبار الاخبار و زبدۃ الآثار وغیرہ میں ذکر و روایت فرمایا کہ حضور پر نور جگر پارہ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہ و بارک و سلم ارشاد فرماتے ہیں۔ من استغاث بی فی کربۃ کشف عنہ و من نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ من توسل بی الی اللہ فی حاجۃ قضیت حاجتہ و من صلی رکعتین یقرؤ فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم یصلی ویسلم علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم بعد السلام من التمشہد احدی عشرۃ مرۃ و ینکرہ ثم یخطوا الی جہۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ و ینکرہ باسمی و ینکرہ حاجتہ فانہا تقضی باذن اللہ تعالیٰ۔

جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے۔ وہ مصیبت دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے۔ وہ سختی رفع ہو۔ اور جو اللہ عزوجل کی طرف کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے۔ وہ حاجت پوری ہو۔ اور جو دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم پر گیارہ بار درود

چار اولیا قبروں میں زندہ ہیں :- مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ میں نے

وسلام بھیجے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا کرے۔ پھر بغداد شریف کی طرف
گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت ذکرے۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ کے
حکم سے وہ حاجت روا ہو۔

يقول العبد صدقت يا سيدى يا مولائى رضى الله تعالى عنك و
عن كل من كان لك ومنك فالحمد لله الذى جعلك وارث
ابيك المرسل رحمة و مولى النعمة و صلى الله تعالى على ابيك
و عليك و على كل من انتمى اليك و بارك و سلم و شرف و كرم امين
امين يا ارحم الراحمين - والحمد لله رب العلمين -

حضرت ابوالمعالی قدس سرہ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ ۔

كَشَفْتُ _____ قَرَّجْتُ _____ قَضَيْتُ _____ بصيغة متكلم

معلوم ہیں۔ وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ عمر بزاز قدس سرہ میگوید من شنیدہ ام از حضرت

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ہر کہ در گنجتے بمن استغاثہ کند کَشَفْتُ عَنْهُ۔ دور گردانم آن

کربت را از او ہر کہ در شدتے بنام من نلا کند فوجت عنہ خلاص بخشم اور ازاں شدت

و ہر کہ در حاجتے تو سل بمن کند در حضرت بل و علا قضیت لہ حاجت اور ابرآرم علامہ

علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں ۔

وقد جرب ذلك مرارا افصح رضى الله تعالى عنه -

بے شک یہ بارہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اوترا اللہ کی رضا حضرت شیخ پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام علامہ خاتمہ المجتہدین تقی الملہ والدین فقیہ محدث ناصر السنۃ ابو الحسن علی بن

عبدالکافی بسکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب مستطاب شفاء السقام میں استمداد و اعانت کو

بہت احادیث صحیحہ سے ثابت کر کے ارشاد فرماتے ہیں ۔

ليس المراد نسبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الى الخلق والاستقلال

بالافعال هذا الا يقصد المسلم فصول الكلام اليه ومنعه من باب

اولیاء اللہ میں چار ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں۔ ان کا یہ تصرف

التلبیس فی الدین والتشویب علی عوام الموحدين۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھہرتے ہوں۔ یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا۔ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استغاثہ سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔ صدقت یا سیدی جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔ آمین۔

فقہیہ محدث علامہ محقق عارف باللہ امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت لصاب جوہر منظم میں حدیثوں سے استغاثہ کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں۔

فالمتوجه والاستغاثۃ بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبغیرہ لیس لہما معنی فی قلوب المسلمین غیر ذلک ولا یقصد بہما احد منہم سواہ فمن لم ینشرح صدرہ لذلك فلیبک علی نفسه نسأل اللہ العافیۃ والمستغاث بہ فی الحقیقۃ هو اللہ والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ بینہ وبين المستغیث فهو سببہ مستغاث بہ والغوث منہ خلقا وایجادا والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستغاث بہ والغوث منہ سببا وکسبا۔

یعنی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضور کے سوا انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے۔ نہ قصد کرتا ہے تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے۔ وہ آپ اپنے حال پر روٹے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔ حقیقتہً فریاد اللہ عزوجل کے حضور ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے اور اس فریاد کی بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں۔ تو اللہ عزوجل کے حضور فریاد ہے۔ اور اس کی فریادرسی یوں ہے کہ مراد کو خلق و ایجاد کرے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے۔ اور حضور

ان کی زندگی کی حالت سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ ایک خواجہ معروف کرخمی رضی اللہ عنہ اور دوسرے

کی فریادرسی یوں ہے۔ کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ

کام کریں۔ جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔

ایمان سے کنایہ وہی علماء ہیں۔ جن پر تم انکار استعانت کا بہتان اٹھاتے ہو۔ مگر

ہے یہ کہ حیا و ہابیہ کے پاس ہو کر نہ نکلی۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اذا لم تستح فاصنع ما شئت۔ ع

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

شاہ ولی اللہ صاحب جمعات میں لکھتے ہیں:

امروز اگر کسے رامناسبت بروح خاص پیدا شود و از انجا فیض بردار و غالباً بیرون نیست

از انکہ این معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المؤمنین

علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بآہ نسبت غوث الاعظم جیلانی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

محبوبیت بیان کر کے فرماتے ہیں:-

این مرتبہ ازاں مراتب ست کہ بیچکس را از بشر نداده اند مگر بطغیل این محبوب بر خے از اولیائے

امت اور اشمہ محبوبیت آل نصیب شدہ و مسجود خلایق و محبوب ولہا گشتہ اند مثل حضرت

غوث الاعظم و مشائخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما۔

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:-

آنچه در تاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدھی ہذا علی رقبہ

کل ولی اللہ نوشتہ اند۔

انہیں کے ملفوظات میں ہے:-

انتفات غوث الثقلین بحال متوسلاں طریقہ علیہ الیثاں بسیار معلوم شدہ با بیچکس از اہل

این طریقہ ملاقات شدہ کہ توجہ مبارک آنحضرت بحالش مبدول نیست انہ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سیف المسلول میں لکھتے ہیں:-

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دوسرے دو بزرگوں کے نام بھی بتائے گئے۔

فیوض و برکات کارخانہ ولایت اول بریک شخص نازل میشود و ازاں تقسیم شدہ بہر یک از اولیائے عصر میرسد و ہمچس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضی نمیرسد این منصب عالی تا وقت ظهور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چون حضرت غوث الثقلین پیدا شد این منصب مبارک بوئے متعلق شد و تا ظهور محمد مدی این منصب بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد و لهذا آنحضرت قد می ہذا علی رقبہ کل ولی اللہ“ فرمودہ و قول غوث الثقلین ”اخی و خلیلی کان موسی بن عمران“ نیز براں دلالت دارد و ملخصاً۔

یہ سب ایک طرف خود امام الطائفہ میاں اسمعیل دہلوی کے بھاری پتھر کا کیا علاج
 ہر اط مستقیم میں اپنے پیر جی کا حال لکھتے ہیں :-
 روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند
 متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ ۔
 اسی میں ہے :-

شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت می کند البتہ افاضہ جناب حضرت غوث الاعظم اعتقاد
 عظیم بہ میرسد (الی قولہ) کہ خود را از زمرہ خلائماں آنجناب می شمارد و ملخصاً ۔
 اسی میں ہے :-

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ بزرگ انج ۔
 یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندج مجموعہ زبدا النصاب میں لکھتے ہیں :-
 اگر شخصے بڑے راخانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود و اور اذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت
 غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخورد خلیفے نیست ۔

ایمان سے کہیو غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریاد رس یا کچھ اور خدا
 کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین کا یہی ترجمہ ہوا کہ جن و بشر کے فریاد رس یا کچھ اور ؛
 تلخیص از برکات الامداد لاہل الاستمداد مولانا احمد رضا بریلوی

یہ نکتہ چونکہ تفصیل طلب ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم اس پر ایک مستقل کتاب لکھیں گے۔ اور تھوڑا سا تذکرہ تو ہم اپنی کتاب "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں کر آئے ہیں۔

— افضل الانبیاء —

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حضور ہی کو نبوت ظاہری معجزوں اور مکمل نشانیوں سے ثابت ہوئی۔ جن کی نقل تو اتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزے ایک دو مقاصد کے لیے ظاہر ہوئے۔ مگر نبی علیہ السلام کے معجزات تمام مقاصد کے لیے دلیل نبوت بن کر آئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور کا تصرف تمام اجزائے عالم پر تھا زمین آسمان۔ ملک۔ ملکوت غرضیکہ جو کمالات سابقہ انبیاء کی ذات مقدسہ میں انفرادی طور پر پائے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتماعی طور پر بدرجہ اتم پائے گئے۔

آنچہ خوباں ہم دارند تو تنہا داری

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَوَلَا فَخْرَ۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ فخریہ نہیں کتا۔ ولد آدم اور بنی آدم کا لفظ جنس آدم کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔

أَدَمُ مِنْ دُونِهِ تَحْتَ لَوَائِي۔

آدم علیہ السلام اور اس کے علاوہ تمام ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بزرگی و مرتبہ حاصل ہے۔ ان کے حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم السلام کا مقام آتا ہے۔ یہ پانچوں رسول اولوالعزم مانے جاتے ہیں۔ اور تمام انبیاء و رسل سے برگزیدہ مانے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان انبیاء کا حصہ اور مجاہدہ بھی بہت زیادہ ہے۔

— قرآن ایک معجزہ ہے —

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی قدیم ہے۔ اور اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ روز قیامت تک دنیا میں محفوظ رہے گا۔ دوسرے معجزے ظاہر

ہوتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ مگر قرآن کریم ابدی معجزہ اور زمانہ گذرنے کے باوجود زندہ اور ثابت رہے گا۔ اور ہر دور میں مشاہدہ میں آتا رہے گا۔ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ بات بہت بڑی دلیل ہے کہ ان قریش کے سامنے جو تمام عرب میں فصاحت و بلاغت کے امام مانے جاتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام اور دین اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ یہ دعویٰ پیش کیا گیا کہ

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ -

اگر تم اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے۔ کسی شک میں ہو۔ اس کی طرح ایک سورۃ ہی لے آؤ۔

آج تک اس قرآن سے کسی صاحب کو جواب نہیں بن آیا۔ عرب میں اس وقت عربی زبان فصاحت و بلاغت میں نکتہ عروج کو پہنچ چکی تھی۔ وہ لوگ فصاحت کے امام تھے۔ وہ اپنی فصاحت کا سکہ چار دانگ عالم پر بٹھال چکے تھے۔ ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول کو فصاحت و بلاغت کی ایک معجزہ آفرین کتاب دے کر بھیجا۔ کیونکہ دوسرے انبیاء بھی اپنے اپنے وقت کے کمالات کو سرنگوں کرنے کے لیے ویسے ہی معجزے لائے تھے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں لوگ حبادو کے جنگل میں گرفتار تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب بام عروج پر تھی۔ چنانچہ انہیں ویسے ہی معجزے عطا کیے گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت چوں کہ فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ آپ کو قرآن کی فصاحت و بلاغت سے موید فرمایا۔

خور کا مقام ہے۔ کہ وہی زبان جسے عرب بولتے تھے۔ سمجھتے تھے۔ اور چھوٹے بڑے جانتے تھے۔ قرآن نے پیش کی۔ مگر قرآن کی آیات کے سامنے انہوں نے اپنے عجز و شکست کا اعتراف کیا۔ اور ساری عرب دنیا قرآن کے مقابلہ میں ایک آیت بھی پیش نہ کر سکی۔

— قرآن کا اعجاز: —

جب قرآن کی پہلی آیت — اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ — نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس وقت کے فصحاء عرب کا طریقہ تھا۔ کہ جس کلام کو فصاحت کے لحاظ سے بہت اونچا خیال کرتے تھے۔ اسے شہرت و عام بچتے۔ اور دوسرے اہل علم پر اظہار کمال کرنے کے لیے کعبۃ اللہ کے دروازے پر لٹکا دیا

کرتے تھے۔ تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکے جب کلام ربانی پر ان لوگوں کی نظریں پڑیں۔ اور کلام کی تائید اور طرز بیان پر غور کیا تو حیران رہ گئے۔ بر ملا کہ اٹھے۔ کہ یہ کلام آدمیوں کا نہیں۔ بلکہ انسان ایسا کلام لانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

معتزلہ کا ایک طبقہ کہتا ہے۔ کہ قرآن پاک کی طرح کلام تالیف کرنے کی تو وہ لوگ طاقت رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے سامنے ان کی قوت گویائی اور ہمتوں کو لپست کر دیا تھا۔ تاکہ وہ اس کا معارضہ اور مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان کی زبانوں پر مہریں لگ گئیں۔ بریں وجہ وہ ایک آیت مقابلہ میں نہ لا سکے۔ اور اس میدان میں شکست کھا گئے۔

معتزلہ کے اس اعتراض میں گو وزن نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے۔ کہ وہ لوگ ایسا کلام لانے کی قدرت و قوت رکھنے کے باوجود بھی اور مقابلہ و معارضہ کی پوری خواہش کے باوجود ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ اور ان کی زبانیں اس قدر بند ہو گئیں کہ وہ ایک آیت نہ لاسکے۔ معتزلہ دراصل اپنے بڑے اعتراضات اور بیہودہ استدلال سے قرآن پاک کے اعجاز کا براہ راست اعتراف کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ انہیں کن حالات کے پیش نظر یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسا کلام پیش کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرح اپنا کلام لانے پر قادر نہیں ہے۔ ورنہ آج تک کوئی نہ کوئی تو مقابلہ میں لاتا۔ اس مضمون کو قرآن پاک خود بطور دعویٰ پیش کرتا ہے۔ تاکہ جسے بھی ہمت ہو۔ اس چیلنج کو قبول کر لے۔

قُلْ لَیِّنِ اِجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَاَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا

اے محمد! ان لوگوں کو فرمادیں۔ کہ اگر تمام جن و انس قرآن کا مثل لانے کے لیے جمع ہو جائیں۔ تو نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی امداد پر آمادہ ہو جائیں۔

اگر نبی علیہ السلام کی عادات کریمانہ۔ عظیم سیرت اور اعلیٰ کردار پر غور کریں تو یقین کرنا پڑے گا۔ کہ آپ کا سر ایا اللہ تعالیٰ کے اعجاز اور قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے۔

ہر جملہ جمال ترانہ زو دیگر است
ہر نغمہ کمال تراساز دیگر است
اعجاز سخن را بسخن ہست احتیاج
ہر غمزہ ز چشم تو اعجاز دیگر است

تمام مخلوقات کے نبی :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے نبی ہیں جن وانس تمام آپ کے لوٹے نبوت کے زیر سایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو رسول الثقلین کہا جاتا ہے۔ آپ کی خدمت میں جنات کا آنا قرآن سُنتا۔ ایمان لانا۔ اور پھر اپنے ساتھیوں کو قرآن کی تعلیم دینا۔ ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اکثر علماء کی رائے ہے۔ کہ عام جن اور انسانوں پر آپ کی نبوت آپ کا خاصا ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ بلاشبہ جنات مکلف ہیں۔ اور مکلف وہی ہو سکتا ہے جو پیغمبر سے یا کسی صادق القول سے روایت سنے۔ یہ مسئلہ بھی متفق علیہ ہے کہ جنات میں کوئی نبی نہیں ہوا۔

قرآن پاک میں جنات کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں۔

قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَيَهْدِي إِلَىٰ الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

جنوں نے کہا! اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو حضرت موسیٰ کے بعد اتری ہے۔ وہ

پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور حقائق بیان کرتی ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ یہ جن پہلے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت

پر چلتے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنات مختلف پیغمبروں پر ایمان لاتے رہے ہیں۔ لیکن ان

کے سامنے نہیں آتے تھے۔ فقط کتاب اللہ کو سن کر اور شریعت کے احکام کو معلوم کر کے ہی عمل

کریا کرتے تھے۔ ان پیغمبروں نے ہر بالمشافہ جنوں کو دعوت اسلام نہیں دی۔ مگر جناب رسالہ کتاب

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو خطاب کیا۔

اور دعوت فرمائی۔ جنوں کو بالمشافہ دعوت ایمان دینا حضور کی خصوصیات میں سے ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضحاک کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔

بعض علماء کی تحقیق ہے۔ کہ آپ کی رسالت فرشتوں پر بھی ہے۔ مگر یہ بات شاذ ہے۔ محققین کے

نزدیک آپ کی رسالت کائنات کے ذرہ ذرہ اور موجودات کے گوشہ گوشہ تک ہے۔ اس میں

جمادات۔ نباتات اور حیوانات سے شامل ہیں۔ پتھروں کا سلام کرنا۔ درختوں کا سجدہ کرنا۔ جانوروں

کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ کی رسالت عام ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ انسان اور جنات تو اپنے اعمال و افعال میں اختیار دیئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ان سے کفر اور گناہ صادر ہوتا ہے۔ مگر باقی اشیاء بجز اطاعت و ایمان کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ فرشتوں کی طرح محض وہی کام کرتی ہیں جس کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے۔

وَمَا أَسْأَلُكَ إِلَّا رَحْمَةً
لِّتَعْلَمِينَ۔
ہم نے اپنے رسول کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

— معراج بیداری کے عالم میں

حضور علیہ السلام کو بیداری کے عالم میں جسم مبارک کے ساتھ ہی معراج ہوا۔ آپ زمین سے آسمان تک اور پھر اس کے بعد جہاں تک اللہ نے چاہا جسم مبارک کے ساتھ گئے۔ ایمان کا امتحان تو واقعہ معراج پر ہے۔ کہ اتنے تھوڑے وقفہ میں بیداری کے عالم میں جسم اطہر کے ساتھ عرش اعظم سے آگے بلکہ لامکان سے بڑھ کر ان تمام واقعات و خصوصیات کے ساتھ جو صحیح حدیثوں میں درج ہیں۔ حضور علیہ السلام کی سیر کو تسلیم کرنا اور اس کی تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے۔ یہ نسبت عالم اور رحمانیت میں تحقیق شدہ ہے۔ وہ زمانہ کی تنگ دامانی اور اطراف سے بالا ہے۔ بزرگان اہل کشف و شہود نے اسے صریحاً بیان کیا ہے۔

امام اجل سیدی محمد بو صیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---------------------------|-------------------------------|
| سیرت من حرم لسیلا الی حرم | کما سری البدر فی داج من لطم |
| وبت ترقی الی ان نلت منزلة | من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم |
| خفضت کل مقام بالاضافة از | نودیت بالرفع مثل المفرد العلم |
| فخرت کل فخار غیبر مشرک | وجزت کل مقام غیبر مزوم |

یعنی یا رسول اللہ حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ قاب قوسین کی منزل پہنچے۔ جو نہ کسی نے یہ پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی۔ حضور نے اپنی نسبت

ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ واقع معراج کی خبر سنتے ہی بلا توقف و تاویل اس واقعہ کی حقیقت

سے تمام مقامات کو پست فرما دیا۔ جب حضور رفع کے لیے مفرد علم کی طرح نہ افرمائے گئے۔ حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرمایا جو قابل شرکت نہ تھا۔ اور حضور ہر اس مقام سے گذر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا۔ یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلا شرکت جمع فرمایے۔ اور حضور تمام مقامات سے بے مزا حم گذر گئے۔ یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔

علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ای انت دخلت الباب وقطعت الجباب الی ان لم تترك غایة لساع
الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب الحق ولا ترک موضع
رقی و صعود و قیام و قعود لطالب رفعتی فی عالم الوجود بل تجاوزت ذلك
مقام قاب قوسین اودانی فاوحن الیک ربک ما اوحی۔

یعنی حضور نے یہاں تک مجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لیے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوٹی اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بلندی کے لیے کوئی عروج و ترقی یا اٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی۔ بلکہ حضور عالم امکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب قوسین اودانی تک پہنچے۔ تو حضور کے آپ نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ نیز امام ہمام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد قدس سرہ ام القری میں فرماتے ہیں۔

وترقی بہ الی قاب قوسین
وتلک السیادہ القعاء
وینسب نقط الامانی حسنہ
وینسب ما وراہن وراہ

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی۔ اور یہ سرداری لانعال ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں کہ آرزوئیں ان سے ٹھک کر گر جاتی ہیں۔ ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں امام ابن حجر کی قدس سرہ الملکی اس کی شرح افضل القری میں فرماتے ہیں۔

قال بعض الائمة والمعادیم لیلتنا الاسراء وعشرة سبعة فی السموات الثامن

وکیفیت کو یقینی طور پر مان لیا جائے۔ اس میں ذرہ بھر تردد و تلخجان نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس واقعہ

الی سدرۃ المنتہی والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش الخ
بعض ائمہ نے فرمایا شب اسراوس معراجیں تھیں۔ سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں
سدرۃ المنتہی نوبں مستوی و سویں عرش تک۔

سیدی علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ مذہبہ شرح طریقہ
محمدیہ میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھا۔

حیث قال قال شهاب المکزی فی شرح ہمزیۃ ابو صیری عن بعض الائمة
ان المعاریم عشرۃ الی قوله والعاشر الی العرش والرؤیۃ۔

معراجیں دس ہیں۔ دسویں عرش و دیدار تک۔ نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے
لما اعطی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام الریح الی غدوھا شہر و
رواحھا شہر اعطی نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم البراق فحملہ من العرش
الی العرش فی لحظۃ واحدا و اقل مسافتہ فی ذلک سبعة الاف سنة
و ما فوق العرش الی المستوی و الرفع لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ۔

جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی
ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحہ
میں لے گیا اور اس میں اولی مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس
کی راہ ہے۔ اور وہ جو فوق العرش سے مستوی و رفرف تک رہی۔ اُسے تو خدا ہی جانے۔
اسی میں ہے۔

لما اعطی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام الکلام اعطی نبینا صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم مثل لیلۃ الاسراء و زیادۃ الدنوا و الرؤیۃ بعین البصر
و شتان ما بین جبل الطور الذی نوحی بہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام
و ما فوق العرش الذی نوحی بہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جب کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

کی تفصیلات و حقائق سے خداوند تعالیٰ ان خود مطلع فرماوے تو یہ اس کی عنایت ہے۔ اس حقیقت کو

وسلم کو ویسی ہی شب اسرائیلی اور زیادت قرب اور چشم سر سے دیدار الہی۔ اس کے علاوہ اور بجلا کہاں کوہ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں با فوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔ اسی میں ہے۔

رقيه صلى الله تعالى عليه وسلم بيدنا يقظة ليلة الاسراء الى السماء ثم الى سدنة

المنتهى ثم الى المستوى ثم الى العرش والرفوف والروية

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسرائیلوں

تک ترقی فرمائی۔ پھر سدرہ المنتہیٰ پھر مقام مستوی پھر عرش ورفوف و دیدار تک۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ تعلیقات افضل القرطبی میں

فرماتے ہیں۔

الاسراء به صلى الله عليه وسلم على يقظة بالجد والروح من المسجد

الحرام الى المسجد الاقصى ثم عرج به الى السموات العلى ثم الى

سدرة المنتهى ثم الى المستوى ثم الى العرش والرفوف۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بیداری میں بدن و روح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد

اقصى تک ہوئی پھر آسمانوں پھر سدرہ پھر مستوی پھر عرش ورفوف تک فتوحات احسنہ

شرح الہرمیہ للشیخ سلیمان الجبل میں ہے۔

رقية صلى الله تعالى عليه وسلم ليلة الاسراء من بيت المقدس الى السموات

السبع الى حيث شاء الله تعالى لكنه لم يجاوز العرش على الراجح۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی شب اسرائیل بیت المقدس سے ساتوں

آسمان اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا۔ مگر راجح

یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔ اسی میں ہے۔

المعارف

ليلة الاسراء عشرة سبعة في السموات والثامن الى سدرة المنتهى و

الناسم الى المستوى والعاشرا الى العرش لكن لم يجاوز العرش كما هو التحقيق عند

عارفانِ حق اور بشریت کے پردے سے بے نیاز بزرگانِ دین اچھی طرح جانتے ہیں جہاں سچی محبت

معراج میں شبِ اسرار اس ہوئیں۔ سات آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ۔ نویں مستوی
دسویں عرش تک مگر اوایان معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا
اسی میں ہے۔

بعد ان جاوز السماء السابعة رفعت له سدرۃ المنتهى ثم جاوزها الى مستوی
ثم زج به في النور فخرق سبعین الف حجاب من نور مسیرة کل حجاب
خمس مائة عام ثم دلی له رفوف اخضر فارقی به حتى وصل الى العرش
ولم یجاوزه فکان من ربه قاب قوسین او ادنی۔

جب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمانِ ہفتم سے گزرے۔ سدرہ حضور کے سامنے
بلند کی گئی۔ اس سے گزر کر مقامِ مستوی پر پہنچے۔ پھر حضور عالمِ نور میں ڈالے گئے۔ وہاں
ستر ہزار پردے نور کے ملے فرمائے۔ ہر پردے کی مسافت پانسو برس کی راہ پھر ایک
برہن بچھونا حضور کے لیے لکھایا گیا۔ حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے۔ اور عرش
سے ادھر گزر نہ فرمایا۔ وہاں اپنے رب سے قاب قوسین او ادنی پایا۔

اقول شیخ سلیمان نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام ابن حجر
مکی وغیرہ کی عبارات ماضیہ و آئینیہ وغیرہ میں فوق العرش و لامکان کی تصریح ہے لامکان
یقیناً فوق العرش ہے۔ اور حقیقتہً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک
منتہائے مکان ہے۔ اس سے آگے لامکان ہے۔ اور جسم نہ ہوگا۔ مگر مکان میں تو حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے
اور روح اقدس نے وراء الوراۃ تک ترقی فرمائی۔ جسے ان کا رب جانے جو لے گیا۔
پھر وہ بائیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرف کلام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ
عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہی عرش ہے۔ تو سیر قدم عرش پر ختم ہوتی نہ
اس لیے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی بلکہ اس لیے کہ تمام اماکن کا احاطہ
فرمایا۔ اوپر کوئی مکان ہی نہیں۔ جسے کیسے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا۔ اور سیر قلب اور

پختہ یقین اور کامل ایمان ہوتا ہے۔ وہاں ترود و تامل حائل نہیں ہوتے۔ یہاں تو سنا اور ایمان

کی انتہا قاب قوسین اگر سو سو گزرے کہ عرش سے در کیا ہوگا۔ کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سیدی علی و فارضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنئے۔ جسے امام عبد الوہاب شعرانی نے کتاب البواقیت و الجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرماتے ہیں۔
لیس الرجل من یقیدہ العرش و ما حواہ عن الافلاک و الجنة و النار
وان الرجل من نفذ بصیرة الی خارج لهذا الوجود کلہ و هنا کہ
یعرف تدار عظمة موجودہ سبحنہ و تعالیٰ۔

مردہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے۔ افلاک و جنت و نار یہی چیزیں محدود و مقید کر لیں۔ مردہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے۔ وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

امام علامہ احمد قسطلانی موہب لدنیہ و منح محمدیہ اور علامہ محمد رزقانی اس کی

شرح میں فرماتے ہیں۔

(ومنها ان رآی اللہ تعالیٰ بعینہ) یقظة علی الراجر (وکلہ اللہ تعالیٰ فی الریم
الاعلیٰ) علی سائر الامکنۃ و قد روی ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مرفوعاً لما استخفی قرینی ربی حتی کان بینی و بینہ قاب قوسین او ادتی۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں
سے بیداری میں دیکھا۔ یہی مذہب راجح ہے۔ اور اللہ عزوجل نے حضور سے اس بلند
و بالاتر مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکان سے اعلیٰ تھا۔ اور بے شک ابن عساکر نے انس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شب
امرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے
کم کا فاصلہ گیا۔ اسی میں ہے۔

قد اختلف العلماء فی الامر هل هو امر واحد او امران ان امره بروح و
بدنہ یقظة بروح و جسدہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی ثم مناما

من المسجد الاقصى الى العرش فالحق انه اسراء واحد بروح وجسد يقظة في القصة
كلها والى هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثين والفقهاء والمتكلمين۔
علماء کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو ایک بار روح و بدن اقدس کے ساتھ بیداری
میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری میں روح و بدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے
مسجد اقصیٰ تک۔ پھر خواب میں وہاں سے عرش تک۔ اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسرا
ہے۔ اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلیٰ تک بیداری میں روح و بدن اطہر
کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء، محدثین و فقہاء و متکلمین سب کا یہی مذہب اسی میں ہے۔
المعاريج عشرة (الى قوله) العاشرة الى العرش۔

معراجیں دس ہوئیں۔ دسویں عرش تک اسی میں ہے۔
قد ورد في الصحيح عن انس رضي الله تعالى عنه قال عمر جبريل الى
صدره المنتهى ودنا الجبار رب العزة فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى مذليہ
على ما في حديث شريك كان فوق العرش۔

صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ جبریل نے صدرۃ المنتہیٰ تک عروج کیا۔ اور جب تبار رب
العزۃ جل جلالہ نے ولو وتدلی فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ ان سے کم کا رہا یہ تدلی بالائے
عرش تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ علامہ شہاب خجاجی نسیم الریاض شرح شفاء
امام قاسمی عیاض میں فرماتے ہیں۔

ورد في المعراج انه صعد الله تعالى عليه وسلم لما بلغ صدره المنتهى جاءه بالرفق
جبريل عليه الصلوة والسلام فتناولوه فطار به الى العرش۔

حدیث معراج میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدرۃ المنتہیٰ
پہنچے۔ جبرائیل امین علیہ الصلوة والتسلیم رفق حاضر لائے۔ وہ حضور کو لے کر عرش
تک اڑ گیا۔ اسی میں ہے۔

— سیدنا صدیق اکبر کا ایمان: حضرت ابو بکر صدیق کا لقب اس دن سے صدیق ہوا

علیہ یدل صحیح الاحادیث الاحاد الدالة علی دخوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الجنة ووصولہ الی العرش او طرف العالم کما سیأتی کل ذلك بجسده یقظة۔ صحیح اہاد حدیثیں ولالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسراء جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے۔ اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

حضرت سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ شریف باب ۱۴ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کان خلق القرآن وتخلق بالاسماء وكان اللہ سبحانه وتعالیٰ ذکر فی کتابہ العزیزانہ تعالیٰ استوی علی العرش علی طریق التمدح والثناء علی نفسه اذ کان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من ہذا الاستواء نسبة علی طریق التمدح والثناء بہ علیہ حیث کان اعلیٰ مقام ینتہی الیہ من اسرہ بہ من الرسل علیہم الصلاة والسلام وذلك یدل علی انه اسرہ بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجمہ ولو کان الاسراء بہ رؤیا لما کان الاسراء ولا الوصول الی ہذا المقام تمدحاً ولا وقع من الاعراب انکار علی ذلك۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ اور حضور اسماء الہیہ کی خود شخصیت رکھتے تھے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استواء بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس صفت استوی علی العرش کے پر تو سے مدح و منقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں کا اسراء منتہی ہوا اور اس سے ثابت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسراء مع جسم مبارک تھا۔ کہ اگر خواب ہوتا تو اسراء اور اس مقام استواء علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا۔ نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الوقیات

تھا۔ جس دن انہوں نے بلاتامل و تردد واقعہ معراج کی تصدیق کر دی تھی۔ اور فوراً مسلمان ہو گئے حالانکہ

والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل "انما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی سبیل التقدیر
حتی ظہرت لمستوی اشارة لما قلنا من ان منتھی السیر بالقدم المحسوس العرش۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ ساں تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا
اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہی عرش ہے۔

مدارج النبوة شریف میں ہے: "فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس گستاخیدہ شد
برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور آفتاب پس درخشید باں نور لھر من نہادہ شدم
من براں رفرف و برداشته شدم تا بر رسیدم بعرش"۔ اسی میں ہے "آوردہ اند کہ چون رسید
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعرش دست زد و عرش بد اماں اجلال وے" اشعة اللمعات
شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے "جز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاترازاں هیچ
کس نہ رفتہ و آنحضرت بجائے رفت کہ آنجا جانست۔"۔

بڑاشت از طبیعت امکان قدم کہ آن
اسری بعبدہ است من المسجد المحمدم

تاعرصہ وجوب کہ اقصائے عالم است
کانجانہ جاست نے جہت و نے نشان نہ نام

نیز اسی کے باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ افضل سوم زیر حدیث قدر ای ربہ مرتین ارشاد
فرمایا "بتحقیق وید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروردگار خود را اجل و علا دو بار یکے چوں
نزدیک سدرۃ المنتہی بود دوم چوں بالائے عرش برآمد۔"

مکتوبات حضرت شیخ محمد والف ثانی جلد اول مکتوبات ۲۸۳ میں ہے: "آن سرور
علیہ الصلاة والسلام در ان شب از دائرہ مکان و زماں بیرون جست و از تنگی امکان بر
آمدہ ازل و ابداں و احد یافت و بدایت و نہایت را در یک نقطہ متحد وید۔ نیز مکتوب
۲۷۲ میں ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ست و بہترین
موجودات اولین و آخرین بدولت معراج بدنی منصرف شد و از عرش و کرسی درگزشت

کئی مسلمان بھی اس مسئلہ پر تڑپیں پڑ کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور مرتد ہو گئے۔ حضرت ابو بکر

واز مکان وزمان بالارفت۔

امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں۔

قول المصنفین من الفقهاء وغیرہم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کذا وکذا ونحو ذلك کلمة من قبیل المعضل وسماہ الخطیب ابو بکر الحافظ

مرسلا وذلك على مذهب من یسمى کل ما لا يتصل مرسلا۔

تمویج وغیرہ میں ہے۔ ان لم یذکر الواسطۃ اصلا فرسل

مسلم الثبوت میں ہے۔ المرسل قول العدل قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

فوائح الحموت میں ہے۔ الكل داخل فی المرسل عند اهل الاصول۔

انہیں میں ہے۔ المرسل ان کان من الصحابی یقبل مطلقاً انفاً قاراً من غیرہ

فالاکثر ومنہم الامام ابو حنیفۃ والامام مالک والامام احمد ورضی اللہ تعالیٰ عنہم

قالوا یقبل مطلقاً اذا کان الراوی ثقة الخ

مرتباً شرح مشکوٰۃ میں ہے: لا یضر ذلك فی الاستدلال به ہنا لان

المنقطع یعمل به فی الفضائل اجماً۔

شفائے امام قاضی عیاض میں ہے۔ اخبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تغفل علی وانہ قسیم النار

نسیم الریاض میں فرمایا: ظاہر ہذا ان ہذا ما اخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا انہم

قالوا المرورۃ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النہایۃ ان علیاً

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انا قسیم النار قلت ابن الاثیر ثقۃ وما ذکرہ علی

لا یقال من قبل الراوی فهو فی حکم المرفوع۔ اہ ملخصاً۔

امام ابن الہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں: عدم النقل لا ینفی الوجود۔ واللہ

تعالیٰ اعلم۔

ماخوذ از منبہ المنیب بوصول الجیب الی العرش والزیوہ

صدیق کا ابتدائی ظہور پر ایمان لانا بھی بلاتامل و تردد کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آیات کی ضیاءِ پاشیاں ہر طرف جلوہ گر تھیں مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک معجزہ بھی دریافت نہیں کیا۔ اور فوراً بے توقف ایمان لے آئے۔ جب حضور علیہ السلام معراج سے تشرف لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا حال آپ سے پوچھا گیا۔ تو آپ نے بعض صحابہ کو ایسا جواب دیا۔ جس میں کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ بعض کو اشارۃً باتیں بیان کیں۔ ہر شخص سے اس کی حالت و استعداد سے گفتگو کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص میں یہ اہمیت نہیں ہوتی کہ اس سے ہر حقیقت کا اظہار کیا جائے۔ اور سربستہ راز کھول دیے جائیں۔ بات تو ایک ہوتی ہے مگر عبارات و الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے حق تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ ورنہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا تو ہر حال میں ہر شخص کو جائز ہے۔ اس میں معراج کی خصوصیت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے۔ اور دل سے جاننا اور ہے۔

— امت محمدیہ کی فضیلت :

حضور نبی علیہ السلام کی امت تمام انبیاء امتوں سے بہتر ہے جس طرح خود حضور علیہ السلام کی ذات تمام انبیاء سے افضل ہے۔ ویسے ہی آپ کی امت ساری امتوں سے افضل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ

تم بہترین امت ہو جنہیں نبی آدم کے لیے پیدا کیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ تمہاری عمر اور بقا کا زمانہ پہلی امتوں کی عمر کے مقابلہ میں ایسا ہے۔ جیسے عصر سے مغرب کا وقت ہو۔ تھوڑے وقت کے باوجود ہم تمہیں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب دیں گے۔ تمہاری حالت یہود و نصاریٰ کی نسبت اس مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

ایک شخص نے کئی مزدوروں کو کام پر لگایا۔ اور صبح سے ظہر تک ہر ایک مزدور کو ایک قیراط مزدوری مقرر ہوئی۔ مگر بعض ایسے مزدور تھے جنہیں ظہر سے عصر تک کام کرنے کا ایک قیراط دیا گیا۔ مگر بعض ایسے بھی تھے جنہیں عصر سے مغرب تک کی مزدوری کے دو دو قیراط دیئے گئے۔ پہلے

دونوں بہت غصہ کرنے لگے۔ کہ ہم نے اتنے طویل عرصہ کے لیے ایک ایک قیراط پایا، مگر اسے تھوڑے عرصہ کے لیے دو قیراط ملے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا: کہ تم سے جو مزدوری مقرر کی گئی تھی، وہ تمہیں دے دی گئی، مگر اسے ہم نے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔

اس مثال میں پہلے سے یہودی مراد لیے گئے ہیں، دوسرے سے نصاریٰ اور تیسرے طبقے سے مسلمان مراد ہیں، پیدائش میں امت محمدیہ سب سے آخر آئی، مگر کثرت ثواب و فضائل میں سب سے اولین ہے، حقیقت میں جو علوم و معارف اور عجائب و غرائب اس امت کے ہر شخص عطا ہوئے، وہ کسی امت کے افراد کو کب میسر آئے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

— شریعت محمدیہ اعلیٰ ترین شریعت ہے: —

دین مصطفوی پہلے تمام ادیان سے کامل تر اور جامع تر ہے۔ اس دین نے تمام ادیان کے ضوابط کو منسوخ کر دیا، جس طرح حضور خاتم الانبیاء ہوئے اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں، ویسے ہی آپ کی شریعت کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی، اور کسی کمال کا انتظار نہیں ہوگا، حضور نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِأَتِمَّ مَكَامَهُمُ
الِاخْلَاقِ
میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق
کی تکمیل کروں۔

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قہر و جلال بہت زیادہ تھا، توبہ کے لیے اکثر جانیں قربان کرنا پڑتی تھیں، پاک چیزیں حرام کر دی جاتی تھیں، غنیمت کے مال سے محروم کر دیا جاتا تھا، بعض گناہوں پر فوری عذاب الہی نافذ ہوتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و شدت اور اعداء دین پر سختی کا یہ عالم تھا، کہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، کہ آپ کی طرف دیکھ سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لطف و مہربانی کا منظر تھے، ان کی شریعت میں فضل و احسان بہت زیادہ تھا، قتل و جدال کی بالکل ممانعت تھی، بعض اوقات قتال حرام قرار دیا گیا تھا، انجیل میں آیا ہے، کہ اگر تیرے ایک رخسار پر ٹھانچہ مارا جائے تو تم دوسرا رخسار پیش کر دو، جو شخص تمہارے کسی کپڑے کے کونہ کو ہاتھ میں پکڑے، اسے سارا کپڑا دے دو، جو شخص ایک میں تک تمہیں متنسخر کرتا جائے اس کے ساتھ دو میں تک چلتے رہو، اور اس پر یوں احسان کرو۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس پر کمال کے مظاہر کو پورا کر دیا۔ اور آپ کی شخصیت میں جلال و جمال کی ساری رعنائیاں جمع ہو گئیں۔ لطف و قہر یکجا ہو گئے۔ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت و شدت اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لطف و کرم اور فضل و حلم کی ساری خصوصیتیں بدرجہ اتم آگئیں۔ اور پھر یہ ساری خصوصیات نہایت اعتدال سے جلوہ گر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا۔

انا الضحوک القتول
میں ہمیشہ مسکراتا ہوں اور میری مسکراہٹ پر اہل دل پر
جان نثار ہو گئے۔

یہ صفت آپ کی جامعیت کا کمال ہے۔

بخندہ نمکیں دل بری و حساں بخشی
تبارک اللہ این پچ خندہ و جہ لب است

خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ
يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ
اللہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دیتا ہے۔
اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی حضور علیہ السلام کی عدالت و شریعت کی خصوصیت کی وضاحت کی گئی ہے
آنحضرت کی عادات شریفہ اور فضائل عالیہ حضور کی شریعت مظہرہ اور معتدل احکایات اور دین اوسط ہونے
کی ساری حقیقت ابھر کر سامنے آگئی ہیں۔
— صحابہ کرام کی فضیلت :-

آپ کے صحابہ ساری امت سے افضل اور بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی صحبت اور
فصرت کے لیے پسند کیا۔ اور ملت محمدیہ اور دین اسلام کی عظمت ان صحابہ سے بلند ہوئی۔

صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت کے اہل تھے۔ اور ان پاکیزہ خدمات
کے اہل تھے۔ جو ان پر سیر و کی گئیں تھیں۔ صحابہ کرام کی شان اور برتری میں اس قدر احادیث آئی
ہیں۔ کہ ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا رتبہ ساری امت سے بلند تر اور ثواب سب
سے زیادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے نصف پیمانہ دینے کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔ حدیث خیر القرون قرنی بھی اس مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں تاب کو اپنی آنکھوں دیکھا۔ آپ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ قرآن اور دین کو آپ کی زبان سے براہ راست سنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے واقف ہوتے رہے۔ اپنی مال و جان راہ مصطفیٰ میں نثار کرتے رہے۔ صحابہ ایسے مومن تھے کہ جنہوں نے حضور کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور ایمانی حالت میں دنیا کو خیر باد کہا۔ حضور کو ایمان سے ایک نگاہ دیکھنا صحابی بنا دیتا ہے۔ مگر بعض علماء کی رائے میں صحابی کیلئے حضور کی مصاحبت اور مجالست شرط ہے۔ جہاد و غزوات میں شریک رہا ہو اور کم از کم چھ ماہ مجلس میں رہا ہو۔ کیونکہ ایک نظر دیکھنے اور ایک لمحہ مجلس میں بیٹھنے سے مصاحبت کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔

علماء کرام کی رائے ہے کہ خیریت واقفیتی۔ صحابہ کرام کی جماعت کے لیے ہی کہا گیا تھا۔ مگر اکثر علماء کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ جس شخص نے ایک نگاہ سے بھی سرکارِ دو عالم کو دیکھا وہ اس فضیلت کا مستحق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کے چہرے پر ایک نگاہ دیکھنا اور ایک لمحہ آپ کی مجلس میں بیٹھنا بڑی بات ہے۔ اور بڑی مشکلات کا حل ہے۔ اور دوسرے ان منازل کو چالیس سال تک بھی طے نہیں کر سکتے۔ یہ بات قوت القلوب میں تفصیلی طور پر موجود صحابہؓ کی افضلیت :

جن علماء کرام نے صحابہ کرام کی افضلیت کے متعلق لکھا ہے۔ ان میں سے حضرت ابو عمرو بن عبد البر کا نام بڑا مشہور ہے۔ آپ علماء حدیث میں سے بلند پایہ مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایسا کب ہو سکتا ہے کہ صحابہ کے بعد کوئی شخص ان کے رتبہ کو پاسکے حدیث پاک میں ہے۔

مثلاً امتی کمثل مطر لا یدری یہ امت بارش کے ان قطروں کی طرح ہے

اولہ خیرا ما اخرہ - آخری قطرہ پہلے قطرہ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ ایک صحابی نے دریافت کیا۔ "یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ کیا ہم سے بہتر کوئی قوم ہو سکتی ہے؟" آپ نے فرمایا ہاں۔ تم سے بہتر وہ قوم ہوگی جو مجھے دیکھے بغیر ایمان لائے گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان قبول کیا اس پر تو آپ کا ظاہر روشن تھا۔ مگر لوگ حضور کو بلا دیکھے ایمان لے آئے۔ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ بعض مفسرین نے "یومنون بالغیب" سے یہی معانی لیے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ آخرین زمانہ میں طریقہ سنت پر چلنا ہاتھ پرانگوارہ لیکر چلنے سے کم تر نہیں ہے۔ جو شخص ان حالات میں سنت رسول پر چلے گا اُسے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! پچاس ہم جیسے آدمیوں کا ثواب ہو گا۔ یا اس وقت کے پچاس جیسے۔ فرمایا، تم جیسے پچاس۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ مگر حقیقت میں جمہور علماء کا مذہب ہی مختار و مستند ہے اور بعد میں آنے والے حضرات کے لیے جس ثواب افضلیت اور درجہ کا بیان کیا گیا ہے وہ ان کے بغیر دیکھے ایمان لانے کی بنا پر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فضیلت کلی صحابہ کے حق میں ہے۔ فضل جوئی فضل کلی کے مخالف نہیں ہو سکتا۔

ابن عبدالبر کا اختلاف اس وقت ہے کہ صحابی کے معنی عام کیے جائیں اور یوں کہا جائے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی علیہ السلام کو ایک نظر دیکھا ہو۔ مگر صحابی کے خاص معنی یہ ہیں، تو جس شرف محبت اور دائمی ہم نشینی ملی ہو۔ وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ ابن عبدالبر جمہور کے مسلک کے بالکل ہمنوا ہیں۔ کہ حضور کے جمال مبارک پر نظر کرنے سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں اگرچہ اولیاء اللہ کو معنوی صحبت آنحضرت نصیب ہے۔ مگر وہ صحابی کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

خلفائے اربعہ :

چاروں خلفائے راشدین جو آنحضرت کے جانشین ہوئے ہیں تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ اسلام میں ان چار خلفاء کے مناقب۔ درجات اور فضائل اس قدر نہیں کہ تمام صحابہ

کے پاس اتنی نیکیاں نہیں۔

خلفاء اربعہ کی فضیلت :

چاروں اصحابہ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اس فضیلت سے ثواب کی زیادتی بھی پائی جاتی ہے۔

ان دونوں مقامات میں سے اول مقام یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور برحق ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق۔ ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ ترتیب افضلیت کا مسئلہ اہل سنت کے ہاں میں سے ہے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت بعض کے نزدیک نص قرآنی اور

حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور جمہور علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ ان کی اطاعت و فرماں برداری قبول کی۔ اور دنیا و آخرت کے سارے معاملات ان کے احکام کی روشنی میں حل کیے۔ اور ان کی ہدایت پر چلتے رہے۔ ان میں سے حضرت ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی اور صہیب جیسے جلیل القدر صحابہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دین کے معاملہ میں ذرہ بھر کی ممانعت برداشت نہ کرتے تھے۔ اور انہی کی شان میں آیا تھا۔
لَا يَخَافُونَ كَوْمَةَ كَأْتِبِجِ - یہ لوگ کسی ملامت سے ڈرنے نہیں تھے۔

اگرچہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت عباس ابن عبد المطلب اور بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت طلحہ زبیر مقداد بن اسعد جیسے جلیل القدر صحابی شامل ہیں نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی تھی۔ مگر دوسرے وقت ان سب نے بیعت کر لی۔ اور آپ کی اطاعت قبول کر لی اور ہمیشہ آپ کی فرمانبرداری میں رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ خطبہ دیا اور فرمایا، میں حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنی بیعت کی تکلیف نہیں دے سکتا۔ کیونکہ انہیں پورا اختیار رہے کہ جو فیصلہ چاہیں کریں۔ اور آپ لوگوں کو بھی پورا حق ہے کہ بیعت کے معاملہ میں انصاف اور آزادانہ رائے کا اظہار کریں۔ مگر جو صاحب کسی دوسرے کو مجھ سے اولیٰ تر یا اعلیٰ تر خیال کرے اس کے ہاتھ میں بیعت کرے

اور میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں یہ بات سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 اور دوسرے جلیل القدر صحابہ نے کہا کہ ہم آپ سے اعلیٰ اور اولیٰ کسی کو نہیں جانتے۔ پیغمبر خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین کے معاملہ میں پیشوا بنایا ہے۔ اور اپنی زندگی کے آخرین
 دنوں میں نماز میں آپ کو امام مقرر کیا ہے۔ باوجودیکہ ہم اہل بیت۔ اہل مشورہ وہاں موجود تھے
 آپ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ ان حالات میں ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ آپ خلافت کے حلقہ دار
 اور لائق ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے صحابہ نے اعلانہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔
 اور اجماع منعقد ہوا۔ ان صحابہ نے بیعت کرنے میں اس لیے تاخیر کی۔ کہ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ
 تھا۔ اور ان لوگوں کا تامل اجتہادی طور پر بڑا ضروری تھا۔ اور اس میں صحابہ کے اجماع میں نقص
 واقع نہیں ہوتا۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا بیعت میں تاخیر کرنا اور بیعت کے وقت شریک نہ ہونا
 اس لیے تھا کہ آپ آنحضرت کی تجمیر و تکفین میں مشغول و مصروف تھے۔ اور حضور کی جدائی کی وجہ
 سے خلوت گزین رہے۔ اور قرآن پاک جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اس طرح چھ ماہ گزر گئے
 مگر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بیعت کر لی۔

ہم مندرجہ بالا رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے دوسرے
 دن ہی بیعت کر لی۔ اور ہمیشہ صدیق اکبر کے مطیع اور مشیر رہے۔ نماز جمعہ۔ عیدیں اور دوسری
 فرض جماعتوں میں آپ کی اقتداء کرتے رہے۔

غزوہ بنی صنیعہ میں (جس میں مسلمانوں کو کذاب قتل ہوا تھا) آپ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
 عنہ کے ہمراہ تھے۔ اور اس غزوہ میں سے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی لی۔ جس سے محمد
 صنیعہ رضی اللہ عنہ پیا ہوئے۔ اگر وہ اس غزوہ میں امام برحق کے ہمراہ نہ ہوتے تو مال غنیمت
 سے حصہ نہ لیتے۔ اور کوئی عقلمند اس بات کی تائید نہیں کر سکتا کہ علی المرتضیٰ جو شیر خدا تھے
 امام اولیاء تھے۔ دائرہ حق کے مرکز تھے۔ قرآن کے فیصلہ سے سرمو تجاوز کرتے۔

الْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ
 قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں۔

ایک مدت دراز تک نمازیں۔ عبادات اور بذنی و مالی خدمات اس کے لیے کرتے رہے۔

جو حق پر نہ تھا۔ اگر حضرت جانتے تھے کہ حق ان کی جانب ہے اور حضور نے بھی انہی کی خلافت کا فیصلہ قطعی فرمایا تھا اور ان حالات میں حق طلب نہ کریں اور خاموشی اختیار کیے رہیں اور معاذ اللہ تمام عمر اہل ہوا اور باطل کے اختیار میں پڑے رہیں آخر حضرت معاویہ سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ناحق جھگڑا کیا تھا۔ کیونکر مقابلہ کیا۔ اور کس محبت سے اپنا حق منوانے کو نکل آئے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے نفس انسان کو پیدا کیا اور دانہ اگایا۔ اگر یہ میخبر خدا نے مجھے حکم دیا ہوتا یا وعدہ کیا ہوتا تو ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیق) کے فرزند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے زیرین پایہ پر قدم نہ رکھنے دیتا۔ لیکن جب میرے سامنے میرے رتبہ و کمال کے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر کو امام بنایا۔ اور اپنے صحابہ سمیت ان کی اقتدا میں نماز ادا کی اور میں نے ان تمام واقعات کو دیکھتے ہوئے بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا جب حضور نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دین کے معاملات میں بہتر جانا تو میں انہیں دنیا کے معاملات میں بھی بہتر جانتا ہوں۔

شیعہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ علی المرتضیٰ نے یہ سارے کام تقیہ سے کیے تھے۔ انہیں دشمنوں کا خوف اور اپنی جان کا ڈر تھا۔ مگر حقیقت حال پر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تقیہ سراسر عیب اور نقصان ہے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ حق کو چھوڑ کر کیسے سکوت کر سکتے ہیں۔ وہ دشمنوں سے ڈر گئے ایہ ناممکن ہے۔ اس کمال یقین کے باوجود کہ آپ نے فرمایا لو کشف الغطاء ما ازدت یقیناً۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سننے کے باوجود کہ میرے بعد تو ہی میرا خلیفہ ہے۔ اور دین کے احکام جاری کرنے کے تم ہی متکفل ہو۔ اور اس کام کو تم ہی کرو گے۔ دوسرے آدمیوں کے لیے ڈر۔ اور طلب خلافت کو قتل پر معمول کر بیٹھے یہ بات سراسر الزام ہے۔ دوسری بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ کہ تقیہ کی ضرورت اس شخص کو ہوا کرتی ہے جو کمزور اور مغلوب ہو۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت امیر المومنین ایسے شجاع اور طاقتور انسان۔ خدا پر توکل کرنے والے۔ حضرت فاطمہ الزہراء

کے شوہر حضرت امام حسن و حسین کے باپ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے برادرزاد اور
حضرت زبیر جیسے چھوٹی زاد بھائی۔ اور پھر تمام نبی ہاشم کے معتمد علیہ بزول اور کمزور کس طرح
گردانے جاسکتے ہیں۔

توقف کی مدت میں ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
کہا کہ آپ اپنا ہاتھ مجھے دیں۔ تاکر میں بیعت کر سکوں۔ اور دنیا جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے چچا نے حضور کے عم زاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اور پھر کسی کو مجال مخالفت نہ رہے
ابن سفیان (اموی) نے کہا کہ اے عبد مناف کے بیٹو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ قریش میرے
کم درجہ والے قبیلہ (بنی عتیم) کے آدمی پر راضی ہو گئے ہو۔ اور پھر ابی سفیان نے کہا۔ کہ
اگر تم خلافت کے لیے الموثوق میں اتنے سوار اور پیادے جمع کر سکتا ہوں کہ ایک جنگل بھر جائے
اور ان کا بھیجا نکال لوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں منع فرمایا۔ اور متنبہ کیا کہ تم اہل اسلام
میں دشمنی پھیلانا چاہتے ہو۔

ان روایات کی روشنی میں ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ سے
کام لیا تھا۔ شیعہ حضرات تو پیغمبر ان خدا کو بھی تقیہ کی زد میں لے آئے ہیں۔ اور یہاں تک کہ
جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کے لیے خوف کے مقام پر کفر کا اظہار کر دینا بھی جائز ہے۔ پھر ان کی
منطق یہاں تک پہنچتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے دل میں تو حضرت علی کو ہی امامت کے لیے کہا تھا
مگر خوف اور تقیہ سے اس کا اظہار نہ کر سکے۔ جب یہ لوگ اس قسم کے احتمالات کو حضور کی
ذات سے منسوب کرنے سے گریز نہیں کرتے تو دوسروں کے معاملات میں کیا کچھ نہیں کہیں گے۔

اتبعہم اللہ ما اجہلہم و افسد اعتقادہم

اگر انبیاء علیہم السلام بھی حق کو چھپانے لگے اور پھر اظہار حق کہاں سے ہوگا۔ نوح علیہ السلام
کی قوم سے زیادہ نافرمان قوم اور تکبر قوم اور کون ہو سکتی ہے۔ فرعون اور نمرود سے بڑھ کر کون
ظالم اور جابر ہو سکتا ہے۔ مگر حضرات نوح موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام نے حق گوئی سے کبھی
پہلو ہی نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے سارے صحابہ نے حضرت صدیق رضی اللہ
عنہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور جس چیز پر سارے صحابہ۔ علماء مجتہدین کا اجماع ہو وہ

برحق ہوتی ہے۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ اجتہاد میں تو غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

مگر اجتماعی اتفاق رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
 لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
 وَيَتَّبِعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
 تَوَلَّيْهِ مَا تَوَلَّى -
 اے امت محمدیہ تمہیں معتدل امت بنایا
 تاکہ تم اوروں پر گواہی دے سکو۔
 جو مسلمانوں کے اجتماعی راستہ سے روگردانی
 کریگا ہم اسے اسی راہ پر پھینک دیں گے جو اس
 نے اختیار کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن یجتمع اھنی علی الضلالة میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی۔

جس چیز پر سب نے اجماع کر لیا وہ حق پر ہے۔ اگر بعض صحابہ نے عہد ابیعت سے انکار
 کیا تھا تو وہ خطا پر تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نافرمان تھے اور وہ حق کو چھپاتے
 رہے۔ ایسی باتوں کا اثر ساری امت پر رونما ہوتا ہے۔ اور شریعت کا استحکام ختم ہو جاتا ہے
 کیونکہ قرآنی احکام۔ احادیث رسول کی اتباع اور احکام شریعت تو صحابہ کرام کے ذریعہ سے
 نافذ ہوتے رہے۔ جب یہ لوگ ہی معاذ اللہ ظالم۔ فاسق اور حق کو چھپاتے رہے تو پھر اس
 سے بڑھ کر خرابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی ایک تصنیف میں کیا عمدہ بات کہی ہے۔ اور قرآن پاک
 کی اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَا يَطْمَئِنُّكُمْ سُلَيْمٰنٌ وَجُنُودُهُ
 وَهُمْ كَا يَشْعُرُونَ -
 چوٹے نے اپنے گروہ کو کہا۔ مبادا تمہیں
 لشکر سلیمان کچل ڈالے اور وہ بے خبر ہوں۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا چیونٹا
 ماضی سے زیادہ عقلمند تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے ساتھی چیونٹیوں کو کہا کہ اپنے گھروں میں گھس
 جاؤ۔ سلیمان کا لشکر نادانستہ تمہیں پامال کر دے گا۔ چیونٹے نے یہ نہیں کہا۔ حضرت سلیمان کے
 لشکر جو آپ کے اصحاب تھے۔ جان بوجھ کر پامال کر دیں گے۔ اور تم پر ظلم کریں گے۔ بلکہ لاشعرون

کہا۔ کہ نادانستہ پامالی عمل میں آئے گی۔ رافضی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم طور پر حضرت علی کا حق برباد کیا تھا۔ اور اہل بیت پر ظلم کیا تھا۔ یہ آنا بھی نہیں جانتے کہ پیغمبر خدا کے صحابہ کا ظلم پر اجماع نہیں ہو سکتا۔

دین کے سارے معاملات صحابہ کرام کے ہاتھ میں تھے۔ احادیث رسول اللہ کا اطلاق انہی کے سپرد تھا۔ ان سب حضرات کے اجماع سے بڑھ کر اور کون سی حجت ہو سکتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب احکام میں حضرت ابو بکر صدیق کی اطاعت و فرمانبرداری کی۔ خلافت صدیق اکبر کی حقانیت کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بایں فضل و کمال حضرت ممدوح کی اطاعت میں مصروف رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے تینوں خلفاء کا دورِ خلافت بڑے انتظام سے گزرا اور کسی گوشہ سے اختلاف و مخالفت نہیں اٹھی۔ مگر آپ کے دورِ خلافت میں ہر طرف انتشار اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کے دورِ خلافت میں ہم ان کے معاون تھے۔ اور ہمارے دورِ خلافت کے معاون تم ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل سلیم اجماع امت اور اتفاق صحابہ پر یقین کرنے پر مجبور ہے اور صحابہ کرام کو راست کردار تسلیم کرنا ہی ایمان کی علامت ہے۔ یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ وہ نبی جو آخر الزمان ہے۔ تمام انسانوں اور جنات کو پیغام خداوندی پہنچانے میں زندگی وقف کر دی۔ ان کی امت کے صرف چند صحابہ تو راہِ راست پر رہے۔ باقی کے سارے صحابہ اور دوست جو ہمیشہ آپ کی صحبت فیض میں رہے۔ اور کمالات و فضائل حاصل کرتے رہے۔ سب گمراہی پر جا پہنچے (معاذ اللہ) اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کا اثر تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی پڑتا ہے۔

اندریں حالات یہ بات ہمیں یقینی طور پر تسلیم کرنا ہوگی۔ کہ سیدنا صدیق اکبر کی خلافت صحیح اور درست ہے۔ شیعوں کا فرقہ زید یہ (جو شیعوں کا اعتدالی فرقہ مانا جاتا ہے) کہتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں مصلحت تھی۔ کیونکہ حضرت علی کی تلوار ابھی تک دشمنوں کے

خون سے تر تھی۔ اور لوگ ابھی تک آپ کے دشمن تھے۔ اگر انہیں خلافت دی جاتی تو بڑا فساد ہوتا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتیں۔ اور اسلامی سلطنت تباہ ہو جاتی چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق کی وجہ سے سارے، شعلے ختم ہو گئے۔ یہ مذہب (نزدیک) حضرت علی کی فضیلت پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اور افضل و اکمل کو خلیفہ بنانا ضروری جانتا ہے۔ علمائے اہل سنت نے ان دونوں باتوں پر تنقید کی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ قطعاً ضروری ہے کہ وہ قریش میں سے ہو۔ حلال و حرام میں امتیاز کرے۔ دین اسلام کی مصلحتوں اور امور سلطنت کے چلانے کی اہلیت رکھتا ہو خلافت کے لیے پرمیزگاری، عدالت، شہامت و کفایت ضروری اوصاف ہیں۔ یہ سارے اوصاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں آثار و احادیث میں فضائل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی اس اہلیت کی گواہ ہیں۔

بعض علمائے کرام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نص قرآنی سے ثابت کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کے لیے تاکید کی ہے مگر اہل تحقیق کے نزدیک حضرت صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کے لیے بھی نص قطعی نہیں ہے۔ اگرچہ شیعہ سنی دونوں ہی اپنے اپنے دلائل میں نصوص قرآن کو پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے مخالف کی نصوص کے جوابات بھی دیے ہیں۔ کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص ہوتی۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع امت نہ ہوتا اور نص کے سامنے کسی کی مجال نہ تھی کہ خلاف رائے کا اظہار کرتا۔ اور اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نص ہوتی تو ہاجر و انصار کی رائے میں قطعاً اختلاف نہ ہوتا اور مینا امیر و منکم امیر کی تکرار نہ ہوتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ قبیل ذوال محض تحقیق و جستجو کے لیے تھی۔ اور نص تمام صحابہ پر واضح نہیں تھی۔ اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی اور دوسرے صحابہ کو کہا تھا کہ تم لوگ مختار ہو۔ جس کے ہاتھ پر فیصلہ کرو بیعت کر لیں۔ اگر ایک چیز نص سے فیصلہ شدہ تھی تو پھر اختیار کی بات کی گنجائش نہیں تھی۔

حقیقت میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ

بی جراح دجنہیں نبی علیہ السلام نے امین امت کا خطاب دیا تھا، کا ہاتھ پکڑ کر انصار سے کہا۔ کہ امامت قریش کا حق ہے۔ قریش کے بچے دوسروں کو دعویٰ امامت نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اگر اس بات پر نص ہوئی تو آپ ایسا کبھی نہ کہتے۔ حتیٰ بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے اجماع اور اجتہاد سے ہوئی۔ اور اجماع یقینی تھا علم اصول فقہ میں ہے۔ ظنی نص غیر قطعی اجماع کے لیے کافی سند ہے۔

دونوں طرف کے لوگوں نے دلائل میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جو اس مختصر سے سالہ میں نہیں سما سکتیں۔ اور ان دلائل کو ترک کرتے ہوئے کسی اور کتاب میں تفصیلی بحث کروں گا۔ حضرت ابو بکر کی خلافت چونکہ اجماع سے ثابت ہے۔ ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض تھی۔ انہوں نے اپنی رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ اور ان کے نام عہد نامہ لکھ دیا۔ جس میں تمام مسلمانوں کو ان کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام نے حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ اور علی الاعلان کہا کہ **بَايَعْنَا مَنْ فِيهِ وَاِنْ كَانَ عَدُوًّا**۔ چنانچہ خلافت عمر بھی اجماع سے ثابت ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کے مسئلہ کو ان چھ صحابہ کبار پر چھوڑ دیا حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ حضرت طلحہ۔ حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ان چھ حضرات نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی رائے کو اپنا حکم ماننے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ ہم سب میں سے جسے کہہ دیں گے، اسے خلیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ جسے تمام صحابہ اور حضرت علیؑ نے فوری طور پر تسلیم کر لیا۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے احکام کی اتباع کا اعلان کر دیا۔ اور دین و دنیا کے تمام کاموں میں انہیں اپنا امیر مانتے رہے۔

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع امت سے ہوئی۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے سارے صحابہ سے افضل و اکمل تھے۔ انہیں باجماع صحابہ خلیفہ برحق اور امام مطلق مقرر کیا گیا۔ آپ کے دور خلافت میں جو فسادات یا جھگڑے ہوئے اور آپ کے استحقاق خلافت پر نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک اجتہادی غلطی تھی۔

جس میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا میں جلدی کا مطالبہ تھا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ ان خلفاء کی افضلیت انکی خلافت کی ترتیب سے شمار کی جائے۔ یعنی سب صحابہ سے افضل ترین سیدنا صدیق اکبرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضلیت ثواب کی زیادتی کے پیش نظر ہوتی ہے۔ علماء کرام نے اس مسئلہ کی یوں وضاحت کی ہے۔ کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں دوسرے سے افضل ہے۔ تو اس سے افضل انسان کی زیادتی اور رجحان دوسرے پر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ افضلیت یا تو ہر صفت میں جدا جدا ہوگی یا مجموعی اعتبار سے افضلیت قائم کی جائے گی صورت اول میں ہو سکتا ہے۔ کہ افضل انسان میں ایک ایسی صفت نہ ہو جو دوسرے میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ افضلیت کسی خاص وجہ کے پیش نظر ہو یہ مسئلہ بھی وجہ اختلاف بن سکتا ہے۔ مثلاً علم کی زیادتی۔ نسب کی برتری۔ ملکات نفسانیہ کی قوت شجاعت۔ سخاوت اور شہامت وغیرہ۔ اور اللہ کے نزدیک ان چیزوں کا ثواب مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ثواب کے ذرائع تو سیرت اور کردار ہیں جن سے اسلام یا عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے جس طرح ایمان لانے سے سبقت۔ دین کی خدمات اسلام کی تقویت میں جدوجہد۔ مسلمانوں کی امداد نیکیوں کی کثرت اور مخلوق خدا کی ہدایت۔ کفار سے قطع تعلق بے دنیوں پر سختی وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے خدا کے نزدیک ثواب ہوتا ہے۔ یہ صفتیں مجموعی اعتبار سے حضرت صدیق اکبرؓ میں زیادہ پائی جاتی تھیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جس دن سے آپ ایمان لائے۔ اسلام کی دعوت و نصرت دین کے لیے وقف ہو گئے عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم جلیل القدر صحابہ ہیں مگر یہ سارے آپ کی وساطت سے اسلام لائے۔ آپ ہمیشہ اسلام کی سر بلندی اور کفار کے جھگڑوں کے خاتمہ میں لگے رہے۔ نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں بھی اور بعد میں بھی۔

صحیح بخاری میں ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کی رسالت کے آغاز سے ہی جب شعائر اسلام کو ہر ملا کرنے کی جوأت نہ تھی۔ اپنے دروازہ پر مسجد بنائی۔ اس میں نماز جاری کی

قرآن پڑھا جانے لگا۔ لڑکے اور عورتیں وہاں آئیں اور قرآن سنتیں۔

جمہور اہلسنت کا مذہب تو اسی ترتیب (یعنی ترتیب خلافت) پر ہے۔ امام مالک اور بعض متقدمین اہل سنت نے حضرت عثمان اور حضرت علی کے بارے میں توقف سے کام لیا ہے حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے۔ تو آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ جب حضرت عثمان اور حضرت علی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے دین کے پیشواؤں سے بارہا پوچھا۔ مگر ایسا کوئی نہ ملا۔ جو ایک کو دوسرے پر افضل قرار دیتا ہو۔ امام الحارثین کا مسلک بھی ان دونوں کے بارے میں توقف ہے انہوں نے ابو بکر بن خزیمہ کی روایت سے حضرت علی کو حضرت عثمان غنی سے افضل قرار دیا ہے جو اہر الاصول میں لکھا ہے۔ کہ اہل کوفہ کے علماء بھی حضرت علی کو حضرت عثمان پر افضلیت دیتے ہیں۔ ابن خزیمہ نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔ شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی اہل کوفہ کے مذہب کو حضرت علی کی فضیلت پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوری بھی اسی نظریہ پر پابند تھے۔ علمائے حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم خیال کیا ہے۔

امام محی الدین نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت حضرت علی پر حضرت عثمان کی افضلیت کے قائل نہیں تھے۔ مگر صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے مقدم تھے۔ امام نووی نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب اصحاب سے افضل تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور اس فیصلہ پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے۔ خطابی جو کوفہ کے علمائے اہل سنت میں سے تھے۔ حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم لکھا ہے۔ اور ابو بکر بن خزیمہ کا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم جانا ہے۔ حضرت سفیان ثوری انہی بزرگوں میں سے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سفیان ثوری نے آخر عمر میں اپنے اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔

بیہقی نے اپنی کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور کی شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت

ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف نہیں کیا۔ سب کے نزدیک حضرت ابو بکر حضرت عمر سے افضلیت اور تقدیم رکھتے ہیں۔ اختلاف تو صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں پایا جاتا ہے۔ الغرض علمائے اہلسنت کا یہ نظریہ ہے۔ کہ تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر اور عمر کو افضلیت حاصل ہے۔ لیکن فقہاء اور محدثین نے قصدیہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے۔ کہ چاروں بزرگوں کی افضلیت اہل بیت کے بعد آتی ہے۔ ابن عبد البر جو علمائے حدیث میں سے مشہور ہیں۔ اپنی کتاب استیعاب میں بیان کیا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ سلمان و ابو ذر۔ مقداد۔ جناب۔ جابر۔ ابو سعید خدری۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت علی سب سے پہلے ایمان لائے۔ لیکن ابو طالب کے خوف سے انہوں نے چھپا لیا۔ چنانچہ صحابہ کی یہ جماعت حضرت علی کو حضرت ابو بکر پر فضیلت دیتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ابن عبد البر کا کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاذ روایت ہے۔ جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جمہور ائمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل میں اور روایات بھی ملتی ہیں خطابی نے بعض مشائخ کے حوالہ سے ان روایتوں کو جمع کیا ہے کہ ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابو بکر۔

امام تاج الدین السبکی جو علمائے شافعی میں بڑے معتبر مانے جاتے ہیں۔ حضرات حسنین کو فضیلت دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ سید المرسلین کے گوشہ جگر تھے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص اور امام علم الدین عراقی نے نقل کیا ہے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما چاروں خلفاء سے افضل تھے۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جگر گوشہ رسول سے کسی کو افضلیت نہیں دے سکتا۔ یہ ساری روایتیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں ہمارے موضوع کے خلاف نہیں جاتیں اور نہ ہی ہمارے مدعا کے مخالف ہیں۔ کیونکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ خاص قسم کی افضلیت وہ عام حالات میں کسی کی افضلیت کے معافی نہیں ہوتی۔ فضائل ذات اور چیز ہے اور کثرت ثواب اور نفع اسلام سے افضلیت حاصل کرنے کا اور مقام ہے۔ شرف النسب کے اعتبار سے سید کو نبی کی اولاد پاک آپ کے گوشہ جگر ہیں۔ وہ جگر پارے ہیں۔

جو غیر شان ان میں پایا جاتا ہے۔ شیخین میں نہیں اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا لیکن اس شرف النسب کے باوجود شیخین کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

ابو بکر بن خزیمہ نے حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی ہے۔ اور جو اہل الاصول میں لکھا ہے کہ اہل کو ذر بھی حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن خزیمہ نے یہ مسلک اختیار کیا۔ شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی یہی تحریر ہے کہ کو ذر والے حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے، رضی اللہ عنہما۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علمائے حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر تقدیم دی ہے۔

امام فخر الدین نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کو ذر کے بعض اہلسنت حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؑ پر فوقیت نہیں دیتے۔ مگر صحیح اور مشہور یہی ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؑ پر مقدم ہیں امام نوویؒ نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ مطلقاً سب صحابہ سے افضل ہیں۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات پر ساری امت کا اجتماع ہے، خطابانی جو کو ذر کے علمائے اہلسنت میں سے تھے حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم لکھا ہے۔ اور ابو بکر بن خزیمہ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم خیال کیا ہے۔ اگرچہ حضرت سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ مگر بعض علما کا کہنا ہے کہ آپ نے آخر عمر میں اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔

بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور نے حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی فضیلت میں اختلاف نہیں کرتا۔ اگر اختلاف ہے تو وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کی فضیلت میں رہا ہے۔ مشائخ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب پر مقدم ہیں اور اس فیصلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

مگر بعض فقہا محدثین نے شرح قصیدہ امالیہ میں لکھا ہے کہ خلفائے اربعہ کی فضیلت اہل بیت کے بعد آتی ہے۔ ابن عبدالبر جو علمائے حدیث میں مشہور ہیں۔ نے کہا ہے کہ متقدمین نے

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت اور فضیلت میں اختلاف کیا ہے۔ سلمان، ابو ذر، مقداد، جناب، جابر، ابو سعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ مگر حضرت ابو طالب کے ڈر سے خاموش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔

بعض علمائے کرام نے ابن عبدالبر کے اس قول کو مقبول اور معتبہ نہیں مانا۔ کیونکہ یہ ایک شاذ روایت ہے جو جمہور کے قول کے بالکل خلاف ہے۔ ائمہ جمہور اس ضمن میں اجماعی طور پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل تھے صحابہ کرام کی وہ جماعت جنہوں نے حسد علیؓ کی فضیلت میں لکھا ہے ان کا فیصلہ یہ ہے کہ ابو بکر خیر من علیؓ و علیؓ افضل من ابی بکر۔

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شافعیہ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حسنین کی تفضیل کے قائل تھے حضور علیہ السلام کے جگر کے ٹکڑے تھے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نصاب نصاب میں امام علیم الدین عراقی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم علیہما السلام با اتفاق رائے چاروں صحابہ سے افضل ہیں۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ ما افضل علی بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداً حضور علیہ السلام کے گوشہ جگر سے کوئی افضل نہیں ہے۔ اس فضیلت سے مراد یہ ہے کہ دوسرے اہل بیت سے افضل ہیں۔ ورنہ فضیلت خلافت و ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

افضلیت کے وجوہ خاص ہوتے ہیں۔ ایک وجہ کی افضلیت دوسری وجہ کی افضلیت کے منافی نہیں ہوا کرتی جن فضائل کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ کثرتِ ثواب اور نفعِ اہل اسلام کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ نسب و شرف و کرامت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کو نسب و شرف اور قدر حاصل نہیں ہے۔ اور یہ شرف و قدر شیخین کے ہاں نہیں پائی جاتی، اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ باوجودیکہ شیخین سے اہل اسلام کو بہت فائدہ پہنچا، خطابی نے بعض مشائخ کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خیر اور افضلیت

دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس قول کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق خیریت اور حضرت علی افضلیت کے مراتب پر ہیں، ہمارے قول کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں وجوہات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اگر ان لوگوں کی مراد کچھ اور ہے تو وہ صاف صاف بیان کریں تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

بہر حال علمائے متقدمین نے افضلیت اور خلافت کے موضوع کو قطعی اور قطعی دلائل سے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ بعض نے ترتیب خلافت کو افضلیت پر محمول کیا ہے بعض نے ثواب و فضائل کو افضلیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مگر صواعق محررقہ کے فاضل مصنف نے فیصلہ دیا ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ترتیب خلافت سے افضلیت کا مسئلہ قطعی ہے لیکن شیعوں پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرت علی کے قطعی فیصلہ کے پیش نظر اس مسئلہ کو قطعی جانیں۔ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کو جزم و یقین سے تسلیم کر لیں۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت علی اور دیگر ائمہ کی عصمت کے معتقد ہیں۔ اور معصوم کا حکم سب کے لیے قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ معصوم جھوٹ بھی نہیں کہتا۔ اور یہ بات صحیح روایات سے ثابت اور تواتر سے نقل ہوتی چلی آئی ہے کہ حضرت علی اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے رفقاء (شیعوں) کے سامنے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف اور توصیف کے ساتھ ساتھ ان کی افضلیت کو بر ملا اور علانیہ بیان کرتے رہے ہیں۔

ذہبی نے ۸۰ سے زیادہ حضرات سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر ثم رجل آخر۔

آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا **ثُمَّ أَنْتَ**، تو آپ نے فرمایا میں ایک عام مسلمان ہوں۔ یہ حدیث متعدد واسطوں سے صحیح مانی گئی ہے۔

بعض روایتوں میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا ”مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ مجھے شیخین پر

فضیلت دیتے ہیں۔ یہ لوگ مفتری ہیں۔ اگر وہ مجھے ملے تو میں انہیں افترا کی سزا دوں گا“

حضرت امام مالک نے امام جعفر سے اور انہوں نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت

علی حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت چادر پیٹے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ شخص اللہ کا پیارا اور محبوب ہے۔ وہ اپنے نامہ اعمال سمیت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ دارقطنی سے روایت کی ہے کہ ابو جحیفہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امت سے افضل اعتقاد کرتے تھے۔ ایک جماعت اس بات کے مخالف بھی تھی۔ ان کی مخالفت سے آپ کو سخت رنج ہوا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ انہیں غمگین دیکھ کر علیحدہ لے گئے۔ ان سے فرمایا "اے اباجحیفہ، اس رنجش کا کیا سبب ہے؟ اس نے اپنا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا "ابی جحیفہ، سنو! میں تمہیں بتاؤں کہ اس امت کا اس وقت بہترین انسان کون ہے۔ اس امت میں سب سے بہتر حضرت ابو بکرؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ حدیث میں نے حضرت علیؓ کی زبان مبارک سے بالمشافہ سنی تھی اور میں اسے ہرگز چھپا نہیں سکتا۔ حضرت جحیفہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے ممبر پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ ہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اسی قسم کی بت سی احادیث ہیں جو تو اتر سے حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچیں مگر شیعہ حضرات یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ ساری باتیں تقیہ کے طور پر کہی گئی تھیں یعنی حضرات شیخین کی تعریف محض جان کے خوف اور دشمنوں کے ڈر سے کیا کرتے تھے۔ اگر ایسا نہ کہتے تو ان کی جان کو خطرہ تھا مگر وہی طور پر حضرت علیؓ حضرت شیخین کے خلاف تھے۔

شیعوں کے اس بیان میں قطعاً کوئی صداقت نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ جو شیر خدا تھے اور مرکز دائرہ حق تھے، اتنے ذلیل، مغلوب اور عاجز ہو گئے تھے کہ وہ حق بیان کرنے سے قاصر رہے، اور ساری زندگی خوف و عجز میں گزار دی۔ پھر اسد اللہ الغالب کا لقب کیا معنی رکھتا ہے۔ لَا يَخَافُونَ كَوْمَةَ لَآئِمَةٍ کے منظر ہوں اور علی مع القرآن وقرآن مع علی ان کی تعریف میں آئے تو خوف و عجز اور حق پرشی کی کیا ضرورت درپیش ہوئی؟

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؓ پر اہل سنت نے اتفاق نہ کیا اور اکثر لوگ آپ سے متفق نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حق گوئی کے معاملہ میں بڑے بے باک تھے۔ وہ حق گوئی میں کسی کی رورعایت نہیں کیا کرتے تھے اور کسی سے ملامت اور مبالغات نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ زاہد تھے، اور زیادہ اوروں سے بہت کم ملتے۔ عالم تھے، اور عالم دوسروں کی خوشامد نہیں کیا کرتا۔ وہ بہادر و شجاع تھے، اور بہادر کسی سے ڈرانے میں کرتا۔ وہ شریف تھے، اور شریف کسی کی پڑا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ سے متنفر رہتے، اور آپ بھی لوگوں سے نفرت کرتے۔

ایسے شخص سے تقیہ کی توقع رکھنا ناممکن ہے۔ شیخین کے زمانہ خلافت میں ظاہر اقیہ ہوتا تو ممکن تھا۔ مگر اپنی خلافت اور اقتدار کے زمانہ میں خلوت اور خاص اجاب میں بھی اس قسم کے بیانات کیونکر تقیہ پر محمول کیے جاسکتے ہیں؟ امام محمد باقر اور آپ کے آباؤ اولاد سے اس قسم کے سوالات ہوتے رہے کہ آپ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ سب نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم انہیں نہایت دوست رکھتے ہیں۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ایسی باتیں تقیہ کے طور پر کہتے ہیں، اور آپ کے دل میں اس کے خلاف باتیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا خوف نندوں سے ہوا کرتا ہے۔ مرووں سے نہیں ہوتا۔ امام باقر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کو سب برا کہتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کا ایک کامیاب بادشاہ تھا۔ اگر ہم تقیہ کرتے تو اسے بھی اچھا کہتے۔

حضرت امام باقر کے ان خیالات کی روشنی میں ہم کیسے یقین کر لیں کہ حضرت علی تقیہ کرتے تھے۔ جو بڑے بہادر و شجاع اور عادل تھے۔ وہ میدان جنگ میں سب پر چھائے رہتے تھے۔ اگر انہیں خوف دامنگیر ہوتا تو وہ حضرت امیر معاویہ اور جنی مروان سے کبھی نہ لڑتے۔ حالانکہ یہ لوگ بڑے طاقتور تھے۔ وہ باغیوں سے لڑے۔ خارجیوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان لڑائیوں میں تائید حق سے جنگ و جدال سے کبھی نہیں ڈرے۔ وہ ہمیشہ اعتدال پر رہے۔ جو نہی انہوں نے دین کے معاملات میں سستی دیکھی وہ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ اور انہوں نے دین کے معاملات میں اپنے دوستوں کو بھی جو افراط و تفریط کا شکار تھے معاف نہیں کیا اور انہیں باہر نکال دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا، اور حکم دیا کہ جس شہر میں ہم ہوں ابن سبا نہ آئے۔

ابن سبا اصل میں یہودی تھا۔ جو ظاہری طور پر آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ لیکن دلی طور پر منافق تھا وہ رافضیوں کا پیشوا بنا اور اس مذہب کا موجد بنا تا کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہا جائے۔ وہ حضرت علیؑ کو اللہ و جہنم کو خدا کہلانے لگا۔ آپ نے اس کی ایسی ہی باتیں سن کر اسے جلا وطن کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح و ثنا میں اتنے نخطبے کئے ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں رہتی۔ اگر علمائے اہل سنت حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں۔ بعض حق پسند شیعہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عبدالرزاق جو صاحب علم اور صاحب زواہر بزرگ تھے شیخین کی افضلیت اسی سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں افضل مانا تھا۔ یہ کتنی نا انصافی ہے کہ حضرت علیؑ کی مدح کرنے والے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ سے گریزاں ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے میں سے تھا۔ ہمیں ان کتابوں پر بھی اسی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے جن میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم:

چار خلفاء کے بعد عشرہ مبشرہ کی افضلیت آتی ہے۔ عشرہ مبشرہ میں مندرجہ ذیل دس صحابہ کے نام آتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی:

ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة و علی فی الجنة و طلحة فی الجنة و الزبیر فی الجنة و عبدالرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن ابی وقاص فی الجنة و سعید بن زید فی الجنة و ابو عبیدہ ابن الجراح فی الجنة۔

یہ دس حضرات تمام امت سے بہتر اور افضل ہیں۔ یہ مہاجرین کے پیشوا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے مراتب اور اسلامی خدمات اس قدر ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ ان بزرگوں کا بہشتی ہونا قطعی ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے علاوہ دوسرے قطعی بہشتی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام نے جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، حسن و حسین رضی اللہ عنہما، خدیجہ الکبریٰ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حمزہ و عباس، سلمان و صہیب، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھی جنت کی بشارت ملی تھی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے ان لوگوں کا ذکر بھی جنتیوں میں کیا ہے۔ عقاید میں ان کا بیان اس لیے آیا ہے کہ یہ لوگ اپنی خدمات کی وجہ سے اسلام میں بڑی شان کے مالک ہیں، مگر بعض ایسے لوگ جن کے دل زنگ آلود ہیں، ان حضرات کی بے ادبی سے نہیں چوکتے اور ان سے بغض رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی پر زور مذمت کی جائے۔

عوام جانتے ہیں کہ ان دس بزرگوں کا قطعی جنتی ہونا بشارت مصطفیٰ سے ثابت ہے مگر ان لوگوں کا یہ گمان غلط ہے اور جمل ہے۔ بعض عربی حوالہ طالب علم بھی جاہل عوام کے ہمنوا ہو کر یوں کہتے ہیں ”اور اوروں کو بھی تو بشارت ہے“ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان دس حضرات کی بشارت قوت اور شدت میں متواتر ہے۔ یہ لوگ احادیث کی چھان بین سے کورے محض ہیں۔

عشرہ مبشرہ کی قطعی بشارت جنت کی بحث کو ہم نے اپنی کتاب ”تحقیق الاشارہ فی تعلیم البشارة“ میں تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے اور احادیث میں جتنے اہل بشارت کے نام آئے ہیں، یا میری نظر سے گزرے ہیں، تمام کا ذکر کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ چار خلیفوں، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے بزرگان دین کی بشارت تو اترا معنوی درجہ رکھتی ہے، مگر دس کی بشارت شہرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض کی بشارت احاد کے درجہ تک ہے جن کے لیے مخصوص بشارت نہیں آئی ان کے لیے یوں کہا جائے گا کہ مومن جنتی ہے اور کافر جہنمی۔ مگر قطعی طور پر کس کو جنتی کہا جاسکتا ہے تفصیلی طور پر مذکورہ بالا کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

— اہل بدر:—

عشرہ مبشرہ اہل بدر کو فضیلت حاصل ہے۔ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں رونما ہوا تھا۔ اس واقعہ سے اسلام کی شہرت کا سکہ دنیا نے عرب پر بیٹھ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے جو نبی علیہ السلام سے کیے گئے تھے۔ پورے ہو گئے۔ دین اسلام کے بدترین دشمن جو صنادید قریش کہلاتے تھے۔ میدان بدر میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں عقبہ بن شیبہ۔ ابو جہل جیسے لعنتہ اللہ علیہم جو خاص طور قابل ذکر ہیں۔ واصل جہنم ہوئے۔

اس معرکہ میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لیے آئے۔ اور باقاعدہ شریک معرکہ ہے عشرہ مبشرہ (جن کا پہلے ذکر آچکا ہے) اس معرکہ بدر میں شریک تھے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شریک جنگ نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرہی کے لیے مدینہ میں رہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بیمار پرہی کی وجہ سے اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ اور مال غنیمت کے پورے حصہ کا مستحق گردانا ہے۔

اہل بدر کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ یہ سارے قطعی جنتی ہیں۔ قرآن کی یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی۔

ان اللہ قد اطلع علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔
بے شک جب اہل بدر نے (اپنے کارناموں کا) اللہ تعالیٰ کے سامنے مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

لن یدخل اللہ النار من جلا شہد ید دا والحدیبیۃ۔
اس شخص کو ہرگز آگ نہیں چھو سکے گی جو میدان بدر یا میدان حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ جو فرشتے میدان بدر میں شریک تھے۔ ان کی فضیلت دوسرے فرشتوں سے بہت زیادہ ہے۔

— اہل احد:—

اہل بدر کے بعد غزوہ احد میں شریک ہونے والوں کا رتبہ آتا ہے۔ یہ معرکہ ہجرت کے چوتھے سال رونما ہوا۔ اس معرکہ میں اہل اسلام کو بڑے امتحان اور دشواری سے گزرنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک اسی معرکہ میں مجروح ہوئے تھے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضور کا کوئی دانت مبارک پورا ٹوٹ گیا تھا۔ یا جڑ سے نکل گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے۔ دانت مبارک کا ایک گوشہ مجروح ہوا تھا۔ اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب شہدائے احد میں سے تھے۔ اس جنگ میں صحابہ کرام میں سے ستر بزرگ شہید ہوئے۔ عشرہ مبشرہ بھی شریک غزوہ احد تھے۔ اس معرکہ میں کفار کا سربراہ ابوسفیان ہوی تھا۔ جن نے جنگ بدر میں شکست کے بعد قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک انتقام نہ لے لے گا۔ بیوی سے جماع اور غسل نہیں کرے گا۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور معاویہ بن ابی سفیان مشرف باسلام ہوئے۔

— اہل بیعت رضوان:—

بیعت الرضوان اس بیعت کا نام ہے جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی تھی۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ -
اللہ تعالیٰ ان مومنین پر راضی ہو گیا جنہوں نے
درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔

لَا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْ بَإِيعَتِي
تَحْتَ الشَّجَرَةِ
جس نے میرے ہاتھ پر شجر رضوان کے نیچے
بیعت کی۔ وہ آگ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ سارے اصحاب اہل بہشت میں سے ہیں۔ یہ ترتیب فضیلت جو ہم نے بیان کی ہے۔ وہ ابو منصور عقیلی سے نقل کی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات و مقامات اور فضائل احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ان حضرات کی برأت و بخشش تو یقینی طور پر واضح فرمادی گئی۔ دوسرے صحابہ کرام کے ناموں کی تصریح کتابوں میں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام کج فضل و کرامت علم و تقویٰ کی بنا پر ہوگی کیونکہ ۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
تَمَّ مِنْ سَمَكْرَمٍ تَرِينَ وَهُوَ شَخْصٌ هِيَ جَوْتَقْوَىٰ مِی
أَتْقَىٰكُمْ۔
بربر ہو۔

بعض علماء کرام نے اولاد صحابہ کو بھی ان کے آبا و اجداد کی فضیلت پر فضیلت دی ہے۔ مگر یہ بات متفق ہے کہ اولاد حضرت فاطمہ الزہراء سب سے افضل ترین ہے ۔

— حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا: —

حضرت فاطمہ الزہراء جنت کی عورتوں کی سیدہ ہیں۔ اور حضرت حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کو علیحدہ تفصیلی طور پر عقائد میں بیان کیا ہے۔ اور ان کی قطعی جنتی ہونے پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ حالانکہ بعض برجنود غلط مصنفین بشارت بخشش کی قطعیت محض عشرہ مبشرہ تک محدود کرتے ہیں۔ اکثر علماء کرام نے رافضی مصنفین کے علی الرغم عشرہ مبشرہ کا ذکر بڑے تخصیص سے کیا ہے۔ مگر ناصبی مصنفین کے علی الرغم ان تین پاک وجودوں کا ذکر اور اہل بیہکے فضائل بیان میں بھی مناسبت ہے۔

یہ حدیث فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں پر ثابت کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اہل جنت کی تمام عورتوں مثلاً مریم۔ بنت عمران اور عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما سے فضیلت دی ہے۔ علامہ بلال سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

بعض احادیث میں جہاں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مگر بعض احادیث میں تمام عورتوں سے حضرت مریم علیہ السلام کو افضل بیان کیا گیا۔ ایسی احادیث میں حضرت فاطمہ الزہراء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

— حضرت فاطمہ اور اہل بیت: —

ایک اور مقام پر دنیا کی بہترین عورتوں میں حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ حضرت مریم حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن کو شمار کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں مساوات اور توقف بیان کرنا مقصود ہے ایک اور حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وجود امت رسول میں ایسا ہے جیسے حضرت مریم کا قوم عیسیٰ میں ہے۔

بعض علماء امت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ الزہراء سے افضل قرار دیتے ہیں ان کی رائے ہے کہ حضرت عائشہ جنت میں رسول خدا کے ساتھ ہوں گی۔ اور حضرت زہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مقام و مکان نبوت حضرت علی کرم اللہ عنہ سے بلند واقع ہے۔ لیکن بعض احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں، فاطمہ، علی حسن اور حسین ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں۔ اور خلفاء اربعہ کے دور میں آپ باقاعدہ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ اور اجتہاد فرمایا کرتی تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں حضرت عائشہ حضرت خدیجہ کے بعد افضل النساء ہیں۔ علامہ سیوطی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تین رائے ہیں مگر بہترین رائے یہ ہے کہ فاطمہ الزہرا حضرت عائشہ سے افضل ہیں۔ بعض اہل علم نے دونوں کو مساوی حیثیت دی ہے۔ بعض حضرات اس مسئلہ پر توقف اختیار کرتے ہیں۔ اصناف کے اکثر و بیشتر علما اور بعض حضرات شافعیہ توقف کرتے ہیں۔ حضرت مالک سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا فاطمہ رسول پاک کا جگر پارہ ہیں۔ اور جگر پارہ سے افضل تر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں رسول اللہ کے جگر پارہ پر کسی دوسری شخصیت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

امام سبکی فرماتے ہیں ہمارے دین اور ہمارے مختار کی رائے ہے حضرت فاطمہ ہی افضل ہیں۔ اس کے بعد آپ کی والدہ حضرت خدیجہ اور اس کے بعد حضرت عائشہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہن) حضرت سیوطی فرماتے ہیں کہ حضرات فاطمہ اور مریم افضل ترین عورتیں ہیں۔ اور حضرات عائشہ و خدیجہ افضل ترین اہمتا ہیں۔ خصائص خیفی میں ہے۔

خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ متقدمین علماء کے ایک طبقہ نے تصریح کی ہے حضرت خدیجہ افضل ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ دنیا کی عورتوں میں سے افضل و اکمل عورتیں حضرت مریم، بنت عمران، حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔ بعض روایتوں میں آسیہ زوجہ فرعون کی بجائے آسیہ بنت قراح لکھا ہے۔

شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں فضیلت کے ساتھ تصریح کی گئی ہے کہ فاطمہ الزہرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے افضل تر ہیں۔ فضیلت عائشہ والی حدیث میں فضل عائشہ علی النساء

کفضل الترید علی غیرہ من الطعام سے دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا چار عورتوں کے علاوہ دنیا کی تمام عورتوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت ہے۔

اس ضمن میں میری (مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی رائے یہ ہے کہ سچی بات یہ ہے افضیلت کے وجوہ و اسباب مختلف ہیں۔ لیکن احادیث کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رسول اکرم صلی اللہ وسلم کو ساری اولاد سے زیادہ پیاری تھیں۔ اور حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سب سے محبوب بیوی تھیں۔ چونکہ فضیلت اور محبت کی وجوہات مختلف ہو کرتی ہیں اس لیے اس مسئلہ کو سمجھنا دشوار ہو جائے گا۔ بعض احادیث میں آیا ہے۔ عورتوں میں سے محبوب ترین شخصیت حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ اور محبوب ترین مرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک اور جگہ آیا ہے کہ تمام انسانوں میں محب خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ بعض علماء نے اگرچہ نہایت سخت رائے دی ہے جو نہایت شاذ مقامات سے لی گئی ہے۔ کہ حضرت عائشہ ہر غیر سے فاضل ترین ہیں جتنی کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل تھیں۔ اگر ہم فضیلت اور محبت کے تقاضوں کو سامنے نہ رکھیں۔ تو اس مسئلہ میں بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے۔ فضیلت کثرت ثواب سے حاصل ہو کرتی ہے۔ اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہے مگر شرف ذات۔ طہارت۔ سیرت اور پاک طبیعت ہونے کی وجہ سے کوئی شخصیت بھی حضرت فاطمہ حسن و حسین اور دوسرے اہل بیت کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتا۔

— خلافت —

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت صرف تیس سال تک تھی۔ اس کے بعد ملوکیت و امارت تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

المخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ اس
ثم یصیر بعدا ہا ملکاً کے بعد خلافت نہیں ہوگی۔ نقصان وہ ملوک ہوں
عضو ضا۔ گے۔ جن کے زہر سے بہت کم لوگ سلامت رہ
سکیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ تیس سال کا عرصہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تحقیق یہ ہے

کہ ابھی تیس سال میں سے چھ ماہ باقی تھے۔ کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی ابی طالب خلیفہ رہے۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کا تیس سالہ دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے بلکہ امیر و بادشاہ تھے جو لوگ امرائے عباسیہ کو خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔ مجازی اور اصطلاحی معنوں میں لکھتے ہیں۔

احناف کے محقق شیخ کمال بن ہمام مسایرہ میں لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ بادشاہ تھے۔ اور خلیفہ نہیں تھے۔ اہل سنت کے مشائخ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ حضرت امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد کسی دوسرے کو امام نہیں مانتے بلکہ بعض مشائخ نے امامت کو بعد از حضرت علی بھی روارکھا ہے جو مشائخ امیر معاویہ کو امام تسلیم کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حسن نے جب آپ کو امام تسلیم کر لیا۔ تو ہم بھی انہیں تسلیم کریں گے۔

مسئلہ اہل سنت و جماعت :-

اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ہمیشہ نیک الفاظ سے یاد کرنا چاہیے۔ بغض سب و شتم، اعتراضات و انکاران کی ذات پر کرنا نامناسب ہے اور ان کے معاملہ میں کسی کی بے ادبی روا نہیں رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ان لوگوں کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ محبت نے پاک کر دیا تھا۔ ان کے فضائل، مناقب اور درجات میں اکثر آیات قرآنی اور احادیث نبوی موجود ہیں۔ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَرَحْمَاءٌ بَيْنَهُمْ۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بِأَيِّهِمْ أَتَدْرِيئُمْ إِهْتَدَى يَوْمًا۔ أَكْرَمُوا أَصْحَابِي فَأَنْتُمْ حَبَارُكُمْ۔ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لِاتَّخَذُوا مِمَّنْ بَعَدِي قَوْمًا أَجْهَمُ فَجِبْنِي وَمَنْ ابْغَضَهُمْ فَبِغْضِي۔ مَنْ إِذَا نَمَّ فَقَدْ إِذَانِي وَمَنْ إِذَا نِي فَقَدْ إِذَا اللَّهُ وَمَنْ إِذَا اللَّهُ فَبِغْضِي ان يَأْخُذَهُ۔

صحابہ کرام کے بعض اختلافات یا محاریبات یا اہل بیت کے حقوق میں کوتاہی اور ان کے آداب میں کمی کی روایت ملتی ہیں۔ ان سے اعراض کرنا ضروری ہے۔ اور نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اور گفتہ ناگفتہ اور شنیدہ ناشنیدہ پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ حضور علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت اور مجلس یقینی امر

ہے۔ مگر اہل بیت کے ساتھ معاملات محض ظنی ہیں۔ اور یقین کی فضیلت کو چھوڑ کر ظن اور گمان کے اختلافات میں پڑنا درست نہیں۔ ان اختلافی امور میں سے اسلامی حدود کا تعین حضرت معاویہ عمر بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور اس قسم کے بزرگوں کے معاملات ہیں جو شخص بھی مشائخ اہل سنت جماعت کے طریق کار پر عمل کرے گا۔ اسے ان معاملات میں بغض طعن سنے زبان بند رکھنا پڑے گی۔ اگرچہ بعض معاملات کو اصحاب تاریخ و سیر نے متواتر لکھا ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے معاملات کے مطالعہ سے اگرچہ طبیعت میں کدورت اور دل میں نفرت پیدا ہوئے بغیر چارہ کار نہیں۔ تاہم چشم پوشی اور لف لسان ضروری ہے۔

غزوہ صفین میں ایک شخص کو حضرت معاویہ کی فوجوں سے قید کر کے لایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص کو اس پر ترس آگیا۔ وہ کہنے لگا۔ تمہاری قسم! میں اسے جانتا ہوں کہ یہ مسلمان تھا۔ اور بڑا صالح مسلمان تھا۔ افسوس کہ اس کا خاتمہ اس حالت پر ہو رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا کہتے ہو۔ وہ اب بھی مسلمان ہی ہے۔ پھر دلیل قطعی کے ہوتے ہوئے سب دشتم تو سخت ناروا ہے جیسے بعض نادان حضرت عائشہ کی طہارت میں نصوص قرآنی کے باوجود زبان و دماغی سے کام لیتے ہیں۔

— حضرت معاویہ کا انجام:—

علمائے اہل سنت کا مسلک ہے حضرت معاویہ کے تمام مجادلات حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو خلیفہ برحق اور امام مطلق تھے) کے خلاف بغاوت و خروج پر محمول کیے جائیں۔ حدیث عماد بن یاسر جو تواتر کے ساتھ شہرت رکھتی ہے آیا ہے۔

تقتلك الفئة باغية تدعوهم الى الجنة ويدعونك الى الناس۔

اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معاملہ موجب کفر اور مستوجب لعنت نہیں تھا۔ سلف صالحین اور علماء مجتہدین میں سے کسی نے بھی حضرت معاویہ پر لعنت نہیں بھیجی۔

حقیقت یہ ہے۔ علمائے اہل سنت کی عادت ہے کہ وہ لعن طعن سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ المؤمن لیس یلعان لعنت تو کسی بھی شخص کے لیے زیبا نہیں۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا معلوم کہ حاجت کار ایمان و سعادت کی دولت لے کر گیا ہو۔ مگر جس شخص کی موت یقین سے معلوم

ہو کہ کفر پر ہوئی ہے۔ اسے کافر کہا جاسکتا ہے۔

یزید کا حشر :-

بعض علمائے اہل سنت تو یزید کے معاملہ میں بھی توقف سے کام لیتے ہیں۔ مگر بعض غلو و افراط کی وجہ سے اس کی شان و منزلت بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مسلمانوں کی اکثریت کی بنا پر امیر مقرر ہوا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ پر ضروری تھا۔ کہ ان کی اطاعت کرتے۔
نعوذ باللہ من هذا القول ومن هذا الاعتقاد۔

یزید امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے امیر ہو کیسے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اجماع اس پر کس طرح واجب آتا ہے۔ جب کہ اس وقت کے صحابہ کرام اور صحابہ کی اولاد جو بھی موجود تھی اس کی اطاعت سے بیزاری کا اسد ان کر چکے تھے۔ مدینہ منورہ سے چند لوگ اس کے پاس شام میں جبر و کراہ سے پہنچائے گئے تھے۔ مگر یزید کے ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر واپس مدینہ چلے آئے۔ اور عارضی بیعت کو فسخ کر دیا۔ اور ان لوگوں نے بڑھکایا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ شراب نوش ہے۔ تارک الصلوٰۃ ہے۔ زانی ہے۔ فاسق ہے۔ محارم سے صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے۔ جس کی رائے ہے۔ کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی وہ شہادت حسین پر رضامند تھا۔ حضرت حسین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت سے وہ کبھی بھی مسرور و مطمئن نہیں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ رائے مردود اور باطل ہے۔ کیونکہ یزید کی اہل بیت سے عداوت اور اہل بیت کی اہانت و ذلت کے واقعات تو اتر کے ساتھ اس سے سرزد ہوتے رہے۔ ان تمام واقعات سے انکار کرنا ازراہ تکلف ہے۔

ایک طبقہ کی رائے یہ ہے۔ کہ قتل حسین دراصل گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ ناحق مومن کا قتل کرنا گناہ کبیرہ میں آتا ہے۔ کفر میں نہیں آتا۔ مگر لعنت تو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی رائے کا اظہار کرنے والوں پر افسوس ہے۔ وہ نبی علیہ السلام کے کلام سے بھی بے خبر ہیں۔ کیونکہ حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد سے بغض و عداوت اور انہیں تکلیف و توہین کرنا باعث ایذا و عداوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ حضرات یزید کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے۔ کیا اہانت رسول اور عداوت رسول اللہ کفر و لعنت کا سبب نہیں ہے۔ اور یہ بات جہنم کی آگ میں پہنچانے کے لیے کافی نہیں۔ آیتہ

کریمہ ملاحظہ ہو۔

إِنَّ الدِّينَ يُؤَدُّونَ اللَّهُ دَرَسُوكَ وَهُوَ لَوِغٌ جَوَانِدُ اَوْرَاسِ كِے رَسُوْلِ كُو اِيْذِ اِنْحَاثِے

لَعْنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَهُوَ يَقِيْنُ اَوْنِيَا وَاخِرَتِ مِيْنِ لَعْنَتِ كِے مُسْتَحَقِّ هِيْنِ . اَوْرِ

وَاعْدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا خِدَانِے اِن كِے لِيْے وِرْوَانَا كِ عَذَابِ مَقْرَرِ كِيَا هِيْے .

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ یزید کے خاتمہ کے متعلق کوئی علم نہیں ہو سکتا ہے کہ از کتاب

کفر و معصیت کے بعد اس نے توبہ کر لی ہو۔ اور آخر کار تائب ہو گیا ہو۔ حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب

احیاء العلوم اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ علمائے سلف اور مشاہیر امت میں سے بعض نے جن میں

امام احمد بن حنبل جیسے بزرگ شامل ہیں۔ یزید پر لعنت کی ہے۔ ابن جوزی جو شریعت اور حفظ سنت میں

بڑے متشدد تھے۔ اپنی کتاب میں لعنت بر یزید کو تو علمائے سلف سے نقل کیا ہے بعض علما

کرام نے لعنت کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اور بعض توقف کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں یزید مبعوض ترین انسان تھا۔ اس بد بخت نے جو کارہائے شہیدہ انجام دیے

ہیں۔ امت رسول میں سے کسی سے نہیں ہو سکے۔ شہادت حسین اور اہانت اہل بیت سے فارغ

ہو کر اس بد بخت نے مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی۔ اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی کے بعد اہل مدینہ کے

خون سے ہاتھ رنگے۔ اور باقی ماندہ صحابہ رسول اور تابعین اس کی تیغ ستم کی تذر ہو گئے۔ مدینہ منورہ

کی تخریب کے بعد اس نے مکہ معظمہ کی تباہی کا حکم دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی

شہادت کا ذمہ وار ٹھہرا۔ اور انہی حالات میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی توبہ اور رجوع کا

مزید مجال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور دوسرے اہل ایمان کے دلوں کو یزید کی محبت

والفتنہ۔ اس کے مددگاروں اور معاونین کی موانعت اور ان تمام لوگوں کی دوستی جو اہل بیت نبوی

کے بدخواہ رہے ہیں۔ اور ان کے حقوق کو پائمال کرتے آئے ہیں۔ اور ان سے محبت و صدق عقیدت

سے محروم رہے ہیں۔ سے محفوظا مومن رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے احباب کو اہل بیت اور

ان کے نیک خواہوں کے زمرے میں رکھے۔ اور دنیا و آخرت میں اہل بیت کے مشرب و مسلک

پر رکھے۔ بِمُدْمَةِ النَّبِيِّ وَالِإِلَهِ الْأَعْبَادِ وَبِمَنْتِهِ وَكَرَمِهِ وَهُوَ قَرِيبٌ مَّحِيْبٌ .

— مجتہد کا مقام: —

سچا مذہب یہ ہے۔ کہ مجتہد بعض اوقات غلطی کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ مگر اجتہادی غلطی میں وہ معذور سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس غلطی کے ارتکاب میں بھی اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انتہائی کوشش اور دیانت دارانہ رائے سے کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایسی اجتہادی کوششوں کا ثواب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

إِنْ خَطَأَتْ فَلَكَ حَسَنَةٌ وَ
إِنْ أَصَبْتَ فَلَكَ حَسَنَتَانِ
اگر تم اجتہاد میں بھول گئے تو تمہیں ایک نیکی
ملے گی۔ اگر کامیاب رہے تو تم دو نیکیوں کے حق
دار ہو گے۔

بعض علماء کرام کی رائے میں ہر مجتہد کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس کی سچائی کی یہی ایک علامت ہے۔ کہ وہ اجتہاد میں کوشاں ہوتا ہے۔ اس کی رائے میں اختلاف محض فقہی مسائل۔ فروعی معاملات میں ہوتا ہے۔ اور ان حالات میں ظنِ اولیٰ ہی سچائی کی دلیل ہے۔ یقینی فیصلہ ضروری نہیں ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اعتقادات کلامیہ مسائل برحق ہوتے۔ کیونکہ یہ واقعہ اور نفس الامر کی خبر ہے۔ اور واقع اور نفس الامر ایک چیز نہیں ہو سکتے۔ اجتہاد کی شرطیں ان کے احکام غیر مجتہد کی تقلید اور اس قسم کے دوسرے مسائل اپنے مقام پر آئیں گے۔

— اہل قبلہ کی تکفیر: —

اہل قبلہ کو یعنی وہ لوگ جو نماز قبلہ رو ہو کر ادا کرتے ہوں۔ اور کتاب و سنت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور خدا اور اس کے رسول کی وحدانیت و رسالت کی شہادت کا اقرار کرتے ہوں۔ کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اگرچہ ان کے بعض کلمات سے کفر بھی لازم آئے۔ ولیکن ایسے کفریہ کلمات پر تو اتر سے اتر کرنے والے کو ضرور کافر کہنا پڑے گا۔ جہاں تک ہو سکے۔ مسلمانوں کے ایسے کلمات کی توجیہ و توضیح ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے۔ اور تکفیر و تغلیظ کو وظیفہ نہیں بنانا چاہیے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ اگر وہ نفس الامر میں کافر نہ ہوگا۔ تو کافر کہنے والا یقینی طور پر کافر ہو جائے گا۔ اور لعنت کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں تو بولنے والا ضرور لعنتی ہوگا۔ چنانچہ تکفیر اور لعنت ملامت جہاں تک ہو سکے احتیاط کرنا

ضروری ہے۔

— رسول ملائکہ سے افضل ہیں:—

خواص بشر (انبیاء و رسل) خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتے تو انبیاء علیہم السلام کے پیغام رسان اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ اور عوام بشر (غیر انبیاء یعنی اولیاء اللہ اور اتقیاء) عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ خواص ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں۔ اس مسئلہ میں ساری امت کا اجماع ہے۔ اور کسی کو مجال اختلاف نہیں۔

انسان کی فضیلت فرشتوں پر اس دلیل سے سمجھی جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سجدہ خدمت کی اعلیٰ ترین علامت ہے۔ اور اپنے اعلیٰ کی علوشان کا اعتراف کرتا ہے۔ چونکہ حضرت آدم کی افضلیت اس واقعہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔ تو خواص بشر کی افضلیت تو واضح ہے۔ یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے۔ اس اعلیٰ کو ادنیٰ کی خدمت پر مامور کر کے اپنا کمال قدرت ظاہر فرما دیا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کے اظہار پر مجبور نہیں ہے۔ مگر یہ دلیل معتزلہ کے اس اعتقاد کے سامنے لائی جاتی ہے جو ملائکہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ ہماری دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ عبادات و ریاضات اور دیگر کمالات کا حصول بڑا محنت طلب کام ہے۔ اور ثواب و جزاء حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت نہایت ضروری چیز ہے۔ اگر کثرت ثواب کا نام فضیلت ہے تو یہ دلیل کافی ہے۔ لیکن فرشتے تو اس ریاضت اور کسب ثواب میں تو تجرد جسمانی حوائج۔ اور دوسری کدورتوں سے پہلے ہی بے نیاز ہیں۔ اس حساب سے فرشتوں کی افضلیت مانی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض محققین کی رائے یہ ہے۔ کہ افضلیت کی حیثیت مختلف ہے۔ یہ ایک لفظی بحث ہے۔ ریاضت۔ محنت اور شدت مجاہدت کی بنا پر اکتساب کمال کے معاملہ میں انسان یقیناً ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن تجرد، پاکیزگی۔ قربت البیتہ اور نورانیت کے نقطہ نظر سے ملائکہ بہت بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

انسان کی جامعیت پر نگاہ ڈالی جائے۔ اور اس کا صفات الہی کا مظہر ہونا۔ اس کے اسماء

وصفات کا آئینہ دار بننا۔ پھر انعام خلافت کے پیش نظر انسان کی فضیلت ہی تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ اس بحث کے باوجود بھی اعتقاد ہی طور پر ہم یہ بات بلاشک وریب کہہ سکتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید رسل ہیں۔ سید کائنات ہیں۔ افضل مخلوقات ہیں۔ خواہ وہ انسان ہوں جن ہوں یا ملائکہ ہوں۔

جس طرح کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انبیاء کی فضیلت تو فرشتوں پر تمام اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ اور بعض اشعری علماء ملائکہ کو بشر سے افضل قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہوئے توقف اور تردد سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ عمر کے ابتدائی دور میں تو ملائکہ کی افضلیت کے قائل تھے۔ مگر آخرین عمر میں آپ نے اس رائے سے رجوع فرمایا تھا۔ اور بشر کو ملائکہ سے افضل ماننے لگے تھے۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اس مسئلہ میں توقف سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کو نہ جاننا۔ یا اس کا اظہار کرنا یا نہ کرنا ایمان و کمال کے نقص کا موجب نہیں ہے۔

امام تاج الدین سبکی جو مشہور شافعی عالم دین ہوئے ہیں۔ نقل کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی کی ساری عمر تمام ہو جائے۔ اور اس کے دل میں فضیلت انبیاء کا خیال تک بھی نہ آئے۔ تو قیامت کے دن اس سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا۔ کہ تم افضلیت انبیاء کے قائل تھے۔ یا افضلیت ملائکہ کے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے۔ کہ ہر مقام پر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے۔ کہ ہم حیثیت و مقام دیکھ کر فضیلت کا تعین کریں۔

— اولیاء کا مقام —

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔ مگر ولی اس شخص کو کہا جائے گا۔ جو معرفت خداوندی کا واقف ہو۔ طاعات خداوندی پر قائم رہے۔ عصیان و معصیت سے کنارہ کش رہے۔ اور لذات شہوانیہ سے پرہیز کرتا رہے۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرق عادت ظاہر ہو۔ تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ اور یہ چیز جائز ہے۔ دراصل ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی امت میں وہ ولی ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام کے کئی قسم کے معجزات ہیں۔ بعض معجزات تو

بعثت سے ہی پہلے ظاہر ہوئے تھے لیکن معجزات کو اہامات کہتے ہیں۔ بعض معجزات اعلان رسالت کے بعد تا دم حیات ظاہر ہوتے رہے۔ مگر بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو بعد از رحلت وقوع پذیر ہوئے۔ یہ معجزات آپ کے تابعین یا اولیاء اللہ سے سرزد ہوتے رہے۔ درحقیقت ان تمام کرامات کو بھی حضور علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ کی ایک کڑی کہا جائے گا۔ یہ معجزات نبی علیہ السلام کے صدق اور صحت دین بن گئے ہیں۔

کرامات کا وجود تو اکثر صحابہ اور اولیائے امت سے تو اتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر کسی قسم کا تردد۔ انکار یا اظہار شبہ کی ضرورت نہیں۔ خاص کر بعض اولیاء امت جیسے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہما سے اکثر کرامات ظاہر ہوئیں۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ کرامات اولیاء اللہ نبی کے معجزات کی جنس میں نہیں آتے جس طرح کہ شوق القمر۔ سلام حجر۔ سجدہ شجر وغیرہ وغیرہ بعض کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ کہ ولی کی کرامت اس کے ارادہ و اختیار سے باہر ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ ولایت و کرامت کا دعویٰ کرنا غیر ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی سے جو چیز بطور معجزہ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ولی اللہ سے بطریق کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اختیار یا عدم اختیار کی قید و تخصیص ضروری نہیں۔ بعض کرامات اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ بعض کرامات ان اولیاء اللہ کے دعویٰ پر صادر ہوتی ہیں۔ جب کہ وہ ولایت اور صدق کے بلند ترین مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ کرامات ان کے دعوؤں کے عین مطابق ظاہر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں اولیاء اللہ کے دعویٰ ان کے انبیاء کے صدق و صحت نبوت کی دلیل بنتے ہوئے ہیں۔ کہ اگر شیخ محی الدین عبدالقادر نے کثیر دعویٰ کیے ہیں۔ تو وہ حق تھے۔ اور ان کے حق میں حقانیت تھی۔ جو دعویٰ ان اولیاء اللہ کے لیے منع ہے۔ وہ دعویٰ نبوت ہے۔ یہ دعویٰ ایک ولی کو دشمن دین مستحق امانت اور لعنت بنا دیتا ہے معاذ اللہ۔

ولایت کے لیے ضروری نہیں کہ ظاہر کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے۔ اصل کرامت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ الاستقامت فوق الکرامات لیکن کرامت کے اظہار میں حکمت یہ ہوتی ہے۔ سالک ابتدائے تربیت میں تکمیل یقین پالے تاکہ

سلوک کی جدوجہد میں نہایت تن دہی سے کام کرتا چلا جائے۔ اور آخرین عمر میں دوسرے لوگوں کی تربیت اور ان کے تردد و افکار کے شبہات کو دور کرنے کے لیے کرامت کا ہونا ضروری ہے۔

خوارق کی چار قسمیں ہیں۔ اگر نیل اعمال اور کامل ایمان کی حالت میں نہ ہوں۔ تو انہیں استدراج اور مکر کہا جائے گا۔ لیکن اگر ایمان کامل، اعمال صالح اور معرفت و تقویٰ کے ساتھ رونما ہوں تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اگر نبی سے اظہار کرامت ہو تو اسے معجزہ کہا جائے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں تمام مومنین یا اہل صلاح سے بھی رونما ہو جاتی ہیں۔ اسے معونت کہا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جادو، طلسمات اور شعبدہ بازی خوارق عادت کے ضمن میں نہیں آتیں۔ کیونکہ یہ چیزیں پے پے تجربات، عمل اور اسباب سے پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ اور ان حالات کو تو اتر سے بروئے کار لانے سے بعض حیران کن واقعات رونما ہوتے ہیں جس طرح ایک حکیم طبیب یا ڈاکٹر کے فنی تجربات سے برب مرگ مریض شفا سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ خرق عادت تو وہ چیز ہے جو خلاف عادت ہو۔

مقامات انبیاء و اولیاء :-

کوئی ولی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو گناہ سے معصوم ہوتے ہیں انہیں نبوت سے معزولی اور برطرفی کا خوف نہیں ہوتا۔ اور انہیں برے خاتمے کا بھی غم نہیں ہوتا۔ انہیں وحی آتی ہے۔ اور خدا کے احکام و ہدایت لوگوں تک پہنچانے میں مامور ہوتے ہیں۔ اولیاء کے تمام کمالات انبیاء سے کم ہوتے ہیں۔ لہذا کہ نبی کی ولی پر افضلیت تو قطعی اور یقینی ہے۔ اس کے برعکس اعتقاد رکھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ ولایت کو نبوت سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس دعوے کی تردید یہ ہے کہ سے زیادہ فضیلت والا نہیں ہو سکتا۔ ولایت تو قرب الہی کا ایک درجہ ہے۔ اور اللہ کی طرف سے فائدہ ملتا ہے۔ مگر نبی پر انعام الہی کی خصوصیت ہوتی ہے جس سے وہ مامور بالا مر ہوتا ہے۔

نبوت کے لیے خلق اللہ کو فائدہ پہنچانا، قرب مع اللہ کی نسبت قائم ہونا بڑا ضروری ہے۔ نبی میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ ولی سے فاضل ہوتا ہے۔ ان حالات کے باوجود بھی جو شخص یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے۔ تو ہم اس کی بات کو رد کریں گے۔ اور اس شخص

کو مردود خیال کریں گے۔

— مقام عبودیت —

انسان کبھی بھی اس کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ کہ اس سے شریعت کی حد و ختم کر دی جائیں۔ بعض ملحد اور بے دین یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ایک مقام پر پہنچ کر انسان شریعت کے تکلفات سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مفروضہ یہ ہے۔ کہ جب انسان انتہائی محبت کو پہنچ جائے تو اسے دل کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ایمان واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس سے شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اسے گناہ کبیرہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ کلام محض گمراہی اور کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بے خبری کی علامت ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی محبت کی تکمیل تو دل کو صاف کر دیتی ہے۔ اور ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ اور طاعت و عبادت میں مصروف رہنے لگتا ہے۔ اور کامل ہو جاتا ہے۔ نہ کہ یہ صفتیں اسے غریبہ ناقص بنا دیں۔ اور تمام امور ساقط ہو جائیں۔ گناہ پر گرفت کرنا یا معاف کر دینا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ مختار ہے۔ جسے چاہے گرفت کرے۔ جسے چاہے معاف کر دے۔ لیکن شرعی تکلیف کا ساقط ہونا کسی صورت میں درست نہیں۔

انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر محبت و ایمان کے تقاضوں کو کون پورا کر سکتا ہے۔ انہیں تو شرع کی پابندی اور تکلیف لازمی ہے۔ بعض لوگ اس بات کے جواب میں بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ انبیاء کرام کے افعال چونکہ احکام الہی کے جاری کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ بدین وجہ وہ ترک افعال و اعمال نہیں کرتے۔

ایسے لوگ شرع جاری کرنے کے معنی بھی نہیں جانتے۔ اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ شرع تو اس لیے ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ اور پیغمبروں کے اقوال کی پیروی کریں۔ لوگوں کو عمل کرنا چاہیے۔ تاکہ شرع جاری کرنے کی مصلحت باطل نہ ہو جائے۔ اور تکالیف شرع کسی طرح ساقط نہ ہو جائیں۔

— آیات و احادیث کی حجیت —

آیات و احادیث کا مطلب ظاہری صورت میں برآمد کرنا چاہیے۔ اور بلاوجہ ان کی تاویل نہیں کرنا چاہیے۔ آیات و احادیث کی تحقیق و تاویل کے شرائط اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کے وجوہات تفصیلی مطالعہ کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التفرقة بین الکفر والزندقہ کا مطالعہ کرنا بظاہر ضروری

ہے۔

آیات و احادیث کے ظاہری معنوں سے ہٹ کر تاویلی معنوں کی طرف جانا الحاد ہے۔ فرقہ باطنیہ اور ملاحدہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ظاہر معنیٰ مراد نہیں ہوتے بلکہ ان سے رموز اور اشارے حاصل کرنے ضروری ہیں۔ ان رموز اور اشارات کو معلم کے بغیر کوئی بھی نہیں پاسکتا۔ اور پھر یہ لوگ امام کو معصوم معلم جانتے ہیں۔ اور حق کی معرفت اس کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ خیال الحاد و زندقہ کے ہیں۔

اگر ظاہری معنیٰ مراد نہ لیے جائیں۔ تو نماز و روزہ طاعات و عبادات اور شریعت کے دوسرے احکام کہاں سے آئے ہیں۔ اور کس طرح ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ان احکامات شریعت کو محض رمز و اشارہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تو پھر کتابوں کا نازل کرنا۔ شریعتوں کا نفاذ کرنا۔ فضول ہو کر رہ جائے گا۔ اور ان کے معلم تو پھر پیغمبروں اور صحابہ سے بھی افضل قرار دیئے جائیں گے۔ کیونکہ یہ سب نصوص کے ظاہری معنیٰ لیتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنوں پر ہی عمل کرتے رہے ہیں۔ اور انہی ظاہری معنوں پر حکم لگایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد بن دین کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ جن محققین کو رموز و اشارات کا علم ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ باوجودیکہ کہ قرآن کی آیات میں رموز و اشارات پائے جاتے ہیں۔ مگر احکامات کا نفاذ محض ظاہری معنوں پر ہی ہو گا۔ اور ان لوگوں نے ظاہری معنوں سے کبھی پہلو تھی نہیں کیا۔

اس مسئلہ پر اس مثال سے ذہن نشین کریں۔ کہ فرعون و موسیٰ ظاہری میں موجود تھے۔ ان کے تمام واقعات ظاہری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فرعون اور موسیٰ تو محض روح اور نفس کے نام ہیں۔ اور روح اور نفس کی کشمکش کی طرف سارے اشارے ہیں۔ موسیٰ اور فرعون کوئی شخصیت نہیں تھے۔ **فَاَخْلَكَمْ فَعَلَيْكُمْ** سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جوتے اٹالیں۔ اور وادی مقدس میں ننگے پاؤں آئیں۔ ان ظاہری معنوں کی خوبی کے باوجود عاشقان طریقت اس سے یہ مراد بھی لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کی وادی میں دو جہان کے علائق سے دستبردار ہونا محبت کی علامت ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں کہا گیا۔ کہ نہ وادی قدس ہے۔ نہ موسیٰ نہ فعلین۔ اس سے زیادہ یا وہ گوئی اور سمیودہ خیال اور کیا ہو سکتا ہے۔

زندوں کی دعا سے مردوں کا فائدہ :-

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ زندوں کی دعاؤں اور صدقہ سے مردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر احادیث اور آثار پائے جاتے ہیں۔ نماز جنازہ اسی قسم کی ایک دعا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ جس مسلمان کی نماز جنازہ نو مسلمان ادا کریں۔ اس کی بخشش کے لیے دعا کریں۔ وہ بخشا جاتا ہے سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس ضمن میں کون سا صدقہ اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پیاسوں کو پانی پلایا جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا۔ اور کہا ہذا الاقم سعدیہ کنواں ام سعد کے لیے ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔

الدعاء تروہ البلاء والصدقة دعا بلا کو دور کرتی ہے۔ اور صدقہ اللہ تعالیٰ

تطفی غضب الرب کی آگ کو بجھاتا ہے۔ زندہ و مردہ دین و دنیا میں

آرام پاتے ہیں۔

۱۔ خاتم المحدثین شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارة القبور میں فرماتے ہیں : مستحب است کہ تصدق کروہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میت نفع میکند اور اے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است در ان احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضی از علماء گفتہ اند کہ نمیرسد میت را بگر صدقہ و دعا و در بعضی روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر میکند کہ تصدق میکنند ازوے یا نہ و اللہ تعالیٰ اعلم شیخ الاسلام کشف العطاء عمالزم لہوتے علی الاحیاء فصل ہستم میں فرماتے ہیں۔ در غرائب و خزائن نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آئند خانہائے خود را ہر شب جمعہ و روز عید و روز عاشورہ و شب براءت پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود و ندا میکنند ہر کیے باو از بلند اندوہ گین اے اہل و اولاد من و نزدیکان من ہر بانی کنید بر بالصدقہ۔ اسی میں ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازین اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔ اکثرے کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں۔ تو صاحب ماہ مسائل کا مطلقاً ان کی طرف

ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب کوئی عالم دین یا طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو اس

ضعف کی نسبت کرنا کہ: "ایں روایات را الضعیف ہم فرمودہ اند"۔ کذب و افترا ہے یا

جہل و اجتر اور استناد کاروایات صحیحہ فرمودہ متصلہ الاسناد میں حصراً و صحاح کا صرف کتب

سنہ پر قصر جیسا کہ صاحب مائتہ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید و سفہ بعید ہے۔ حدیث

حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔ غیر عقائد و احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع

حجت ہے۔ ہمارے ائمہ کرام حنفیہ و جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد

بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوفہ غیر مرفوعہ

قول صحابی بھی حجت ہے۔ کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں۔ اور حدیث صحیح

کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے اجداد و انوار پر مبنی اور مبرہن ہے و لکن

الوہابیتہ قوم بھلون طرفہ یہ کہ خود صاحب مائتہ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگان

خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف

کثیرہ میں تو وہ وہ روایات غیر صحاح و روایات طبقہ اربع اور ان سے بھی نازل تر سے

استناد کیا ہے۔ جیسا کہ ان کتب کے ادنیٰ مطالعہ سے واضح و مبہن ہے و لکن النجدیہ

بمحمد و الحق و ہم لعلمون امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفہ اور امام احمد مستند اور

طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک ابوالعین علیہ میں بسند صحیح حضور پر نور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم سے مرفوعہ راوی و ہذا لفظ ابن، المءارک:

قال ان الدنيا جنة الكافرو سبحن المؤمن وانما مثل المؤمن حين

تخرج نفسه كمثل رجل كان في السجن فاخرج منه فجعل يتقلب في الارض ويضم فيها

بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے۔ جب مسلمان کی جان نکلتی

ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص زندان میں تھا۔ اب آوا کر دیا گیا۔ تو

زمین میں گشت کرنے اور با فراغت چلنے پھرنے لگا۔ ابوبکر کی روایت یوں ہے۔

فاذا مات المؤمن يغلى سربه يسرح حيث شاء۔

گاؤں کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھایا جاتا ہے۔ اس حدیث سے علم دین کے پڑھنے

جب مسلمان مرتا ہے۔ اس کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ کہ جہاں چاہے جائے۔ ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو۔ تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا۔ کہا: کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں کہا: نعم اما المؤمنون فان ارواحهم فی الجنة وہی تذہب حیث شاءت۔ بے شک مسلمانوں کی روہیں تو جنت میں جوتی ہیں۔ انہیں اختیار ہوتا ہے۔ جہاں چاہیں جائیں۔ ابن مبارک کتاب الزہد والوکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذہب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجنین۔

بے شک مسلمانوں کی روہیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ اور کافر کی روح سجنین میں مقید ہے۔ ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی قال بلغنی ان ارواح المؤمنین مرسلۃ تذہب حیث شاءت۔ مجھے حدیث پہنچی ہے۔ کہ مسلمانوں کے مسلمانوں کی روہیں آزاد ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں: رحم ابن عبد البر ان ارواح الشهداء فی الجنة و ارواح غیرہم علی افیۃ القبور فتسرح حیث شاءت امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روہیں جنت میں ہیں۔ اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔ علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ ان الروح اذا انخلعت من هذا الہیکل وانفکت من القبور بالموت تجول الی حیث شاءت۔

بے شک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے۔ جولان کرتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ لپانی پتی ابھی تذکرہ الموتی میں لکھتے ہیں: ارواح الیساں (یعنی اولیاء کرام قدس اسرار ہم) از زمین و آسمان و ہشت

پڑھانے کی فنسلیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مزاروں پر حافظان قرآن اور

بہر جا کہ خواہند میروند خزانہ الروایات میں ہے۔

عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تخلص لیلۃ الجمعة وتنتشر و
تجاء و الی مقابرهم ثم جاء وافی بیوتهم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روہیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھلتی ہیں۔ پہلے اپنی
قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔ دستور القضاہ مستند صاحب مائتہ مسائل میں فتاویٰ
امام نسفی سے ہے۔

ان ارواح المؤمنین یا تون فی کل لیلۃ الجمعة ویوم الجمعة فیقومون ببناء بیوتهم
ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حنین یا اہلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا
علینا بالصدقة واذکرونا ولا تنسوننا وارحمونا فی عمر بتنا الخ

بے شک مسلمانوں کی روہیں ہر روز و شب جمعہ اپنے گھر آتی اور روازے کے پاس
کھڑے ہو کر روناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو، اے میرے بچو،
اے میرے عزیزو، ہم پر صدقہ سے مہر کرو۔ ہمیں یاد کرو۔ بھول نہ جاؤ۔ ہماری غمیری
میں ہم پر ترس کھاؤ۔ نیز خزانہ الروایات مستند صاحب مائتہ مسائل میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء

لیلۃ النصف من الشعبان تاقی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتهم
فیقولون ہل من احد ینذکونا ہل من احد یتروم علینا ہل من احد ینذکونہ بتنا الخ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا

شب برات ہوتی ہے۔ اموات کی روہیں اگر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی

اور کہتی ہیں۔ ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے۔ ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے۔ ہے کوئی کہ

ہماری غمیری کی یاد دلائے۔ اسی طرح کثر العباد میں بھی کتاب الروضۃ لامام زبدویسی سے

منقول یہ مسئلہ کہ نہ عقاید کا ہے نہ فقہ کے حلال و حرام کا ایسی جگہ دو۔ ایک سندیں بھی اس

ہوتی ہیں۔ نہ کہ اس قدر کثیر وافر۔ امام جلال الملہ والدین سیوطی مناہل العصفیٰ تخریج و بیہ

مدرسین کو مقرر کرنا بڑا ثواب ہے۔

الشفاء زیر رتبائے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
 لم اجد الا في شئ من كتب الاثر لكن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاجب في مدخله
 ذكوا في ضمن حديث طويل وكفى بذلك سند المثل فان لم ييس ما يتعلق بالاحكام
 يعني میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی۔ مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاجب
 نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند
 کافی ہے۔ کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔ باقی رہا ضلال حال کے شیخ الضلال گنگوہی کا
 براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقاید کا ہے۔ اس میں مشہور و متواتر
 صحاح کی حاجت ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہے۔ نہ ظنیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح
 مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحمیں آتی ہیں۔ تو وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم میں
 مردود ہوں گی۔ کہ ان روایات میں عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کر لے۔ تو فقط عمل
 ہے۔ نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں چار ورق سے زائد پر ہی اعجاب
 اصحو کہ طرح طرح کے مرتزقات سے آلودہ اندوہ کیا ہے۔ سخت جہالت ہے۔ اقول۔
 اگر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو۔ اگرچہ اسے نفیاً و اثباتاً کسی طرح
 عقائد میں دخل نہ ہو۔ فی ما مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی محتمل
 نہ ہو۔ سب باب عقائد میں داخل ٹھہرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جہت تک
 متواتر نہ ہوں۔ تا مقبول ٹھہریں تو اولاً سیر و معازی و مناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ
 خورد و دریا برد ہو جائیں۔ حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں۔ کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعیف
 بھی مقبول سیرت انسان العیون میں ہے۔

لا یخفی ان السیرت جمع العیوم والستقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع
 والمعضل دون الموضوع وقد قال الامام احمد وغیره من الاثمة اذ روينا في
 الحلال والحرام شد دنا واذ روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا۔
 اس بحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الایجاب میں ملاحظہ ہو۔

قبولیت و عاء :- اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور حاجات

یسی دیکھیے۔ رتائے مذکور امیر المؤمنین کیا فضائل اعمال سے تھا۔ وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحافظ نے بعض علما کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔ ثانیاً علم رجال مردہ ہو جائے۔ کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل و فضل۔ عمل اور غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔ ثانیاً دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔ رابعاً عقائد و اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع آئمہ ہے۔ ضائع جائے۔ کہ احکام حلال و حرام میں کیا اعتقاد حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے۔ اور وہ عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے۔ تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود اور جب حلال اور حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں۔ اس سے کیوں بچیں۔ خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول ماننے سے ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے۔ اس پر یہ ثواب جانتا خود عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے۔ اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔ سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی۔ کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی۔ انہوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں۔ جب تک قطعیات نہ ہوں۔ کچھ نہ سنیں گے۔ سے

سے قدم عشق بیشتر بہتر

سابعاً ختم الہی کا ثمرہ دیکھیے۔ اسی برابر میں قاطعہ لما أمر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلو اگر اس تنگنائے اعتقادات میں داخل کر لیا۔ تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دال ہیں۔ مردود ٹھہریں۔ اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کی تقیض کو محض ایک بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا۔ کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں۔ کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہ نے اسے ہرگز روایت نہ کیا۔ بلکہ اعتراض کر کے صاف فرما دیا تھا۔ کہ اس سخن اصلے ندارد و روایت بدران صحیح نشدہ است۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کو بر لانا ہے۔ اگر خلوص نیت اور حضور دل سے دعا کی جائے۔ اور عاجزی و تفرع سے بدگاہ رب

فضائل ماننے کو توجیب تک حدیث قطعی نہ ہو۔ بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور
کی تفصیل فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سرو پا حکایت مقبول و محمود اور
پھر دعویٰ ایمان و امانت و دین و ریاست بدستور موجود۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔
كَذٰلِكَ يَظِيْمُ اللّٰهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ كُلَّ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہیے
اس کے لیے اتنی سنیس کافی و روانی۔ شکر اگر صرف انکار یقین کرے۔ یعنی اس پر حزم و یقین
نہیں تو ٹھیک ہے۔ اور عامہ مسائل سیر و معازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس
کے باعث وہ مردود نہیں قرار پا سکتے۔ اور اگر دعوائے نفی کرے۔ یعنی کہ مجھے معلوم ثابت
ہے کہ رو میں نہیں آتیں۔ تو جھوٹا کذاب ہے۔ بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو
خانت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ کہ ثبوت عدم اور بے دلیل عدم ادعا ہے عدم محض حکم و حکم آنے
کے بارے میں تو تہذیب و کتب و حکما کی عبارات اتنی روایات ہیں بھی نفی و انکار کے لیے کون سی
روایت ہے۔ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے۔ تو ادعا ہے بے دلیل محض
باطل و ذلیل کیسی ہٹ دھرمی ہے۔ کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ صرف بر بانی صنف
مردود اور اپنی طرف روایت کا نام نہ نشان اور ادعا ہے نفی کا بلذ نشان۔ روحوں کا آنا۔ اگر باب
عقائد سے ہے تو نفی و اثبات اس باب سے ہو گا۔ اور دعویٰ نفی کے لیے بھی دلیل قطعی و کار
ہو گی۔ یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقاید میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف
سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود۔ **وَلٰكِنِ الْوٰهَابِيَّةُ لَا يَعْقِلُوْنَ**۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَعْلٰى الْعٰلَمِيْنَ۔ **وَصَلٰى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقٍ مَّعْدُوْدٍ**
اَلُوْصِيْبِ اَجْمَعِيْنَ۔ **اٰمِيْنَ**۔ **وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَعَلِمُهُ جَلُّ مَجْدِهِ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ نَقَطٌ**

كَتَبَ

عبدالذنب احمد رضا البریلوی حنفی عنہ محمد بن ابی الامی تھلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ماخوذ از ایقان الارواح لیدیار ہم بعد الرواح

العزت میں سرسجود ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے کبھی رو نہیں کرتی۔ اور دنیا و آخرت میں اسے قبول فرمائی جاتی ہے۔

— قبولیت دعا کی شرائط —

دعا کے قبول ہونے کی بھی کئی شرائط ہیں۔ اور پھر قبولیت دعا کے مواقع ہیں۔ سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ حضور قلب اور قوت حلال میسر ہو۔ دعا کے قبولیت میں سب سے رکاوٹ اس بات سے ہوتی ہے کہ دعا کرنے والا کتا ہے۔ کہ میں نے بار بار دعا کی۔ مگر قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قبولیت دعا کی شرطیں نہ ہوں۔ اور ان کے مواعیت موجود ہوں تو دعا کیسے قبول ہو۔ لیکن پھر بھی خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

المختصر دعا ایک عبادت ہے۔ الدُّعَاءُ هُمُ الْعِبَادَةُ۔ دعا عبادت کا مغز ہے جس طرح مختلف عبادتیں اپنے اپنے وقت اور سبب کے لیے ضروری ہیں۔ ایسے ہی دعا کی قبولیت کے مواقع اور اسباب ہوتے ہیں۔ بلا مصیبت کے وقت دعا کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ تم دعا مانگو۔ میں اسے قبول کروں گا۔

اسے اخی دست کردن بدار

باجابت یار و ایت چہ کلمہ

بِسْ دَعَا ہَا زِیَانِ سِتْ وَ دِبَالِ

از کرم می نشنود شان زو الجلال

ایک کسان کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر عربی گھوڑا مانگے۔ اور بادشاہ اس کے بدلے اسے ایک بیلیوں کی جوڑی دیدے۔ تو ظاہر میں بادشاہ نے اس کی دعا قبول نہیں کی۔ اور جیسا گھوڑا وہ چاہتا تھا۔ اسے نہیں دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے جو چیز اسے دی گئی ہے۔ وہ گھوڑے سے کئی بار بہتر ہے۔ بیلیوں سے اس کی کھیتی میں جو فائدہ ہوگا۔ وہ گھوڑے سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ گھوڑا تو اس کے معیار زندگی میں اور دبال جان بن جائے گا۔

اسی طرح ہم دنیا کی فضول اور بے کار چیزوں کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اس دعا کا قبول نہ ہونا۔ ہمارے لیے مفید ہے۔ نفس کی لذتوں میں پڑ کر رضائے الہی سے محروم رہتے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر نور بصیرت دے۔ تو حسن ظن سے طلب صادق کرنا چاہیے۔ بعض چیزوں سے محرومی بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا دوسرا نام ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کہ مسح کی نسبت پاؤں کو دھونا زیادہ افضل ہے۔ مگر مسح کے جواز کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ جو تمت کے مقام پر رخصت کو اختیار کریں۔ وہ مصلحت سے زیادہ قریب ہیں۔

— گناہ پر فخر: —

گناہ کو حلال جانا۔ ہلکا سمجھنا بھی کفر کے قریب ہے۔ گناہ اگرچہ شہوت کے غلبہ۔ کہ لیسیریت کے تقاضا سے ہو۔ گناہ کو گناہ ہی تصور کرنا چاہیے۔ اور اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہیے۔ چھوٹے گناہ کا ہلکا جانا۔ یا اسے بے حقیقت خیال کرنا اتنا ہی کافی ہے۔ کہ اسے عذاب کا ذریعہ نہ بنائیے۔ ورنہ صغیرہ گناہ متواتر کرنے سے کبیرہ گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

— شریعت سے مسخ: —

احکام شرح کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ یہ مذاق و تمسخر دراصل شریعت کے جھٹلانے اور انکار کرنے کی علامت ہے۔

— مذاق اقرار کفر: —

کلمہ کفر مذاق و تمسخر سے کتنا بھی کفر ہے۔ اگرچہ اس کے معنی دل میں کچھ اور ہی لیے جائیں۔ اور ان پر اعتقاد بھی نہ ہو۔ مذاق سے دراصل استخفاف پیدا ہوتا ہے۔ جب گناہ کا استخفاف کفر ہے۔ تو کفر کا استخفاف تو بدرجہ اتم کفر ہے۔ خواہ یہ بات نہ جانتا ہو کہ یہ کفر ہے۔ مگر نہ جاننے سے جرم کی معافی نہیں ہو سکتی۔ بعض علماء نے ان لوگوں کی رعایت کی ہے۔ جو نادانستہ کلمہ کفر کہہ دیں۔ بھولے سے یا بے اختیار زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر کفر واقع نہیں ہوتا۔

— نشہ میں کلمات کفر: —

بدمستی اور نشہ کی حالت میں کلمہ کفر کے سرزد ہونے سے کافر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ نشہ کی حالت میں عقل ماؤف ہوتی ہے۔ ہاں دوسرے تصرفات جیسے طلاق دینا۔ غلام آزاد کرنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ یہ بعض اقرار سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے۔ کہ کفر ایک بہت بڑا کام ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ اس امر سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ اور زوال عقل اس کا علاج اور عذر تو ہو سکتا ہے۔ مگر اسلام تو ایک مرغوب و مطلوب چیز ہے۔ جس طرح ہو سکے۔ اس کا اثبات ضروری ہے۔

کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ہاں گمراہی کی دعاؤں کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ وہ دنیا کے کاموں کے لیے دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ البتہ مظلوم خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔
— فاسق کی قیادت: —

ہرنیک و بد کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے۔ نماز جماعت ترک کرنا درست نہیں۔ اور اس چیز کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ کہ امام پرہیزگار اور متقی ملے تو نماز باجماعت ادا کریں گے۔ جماعت سنت ہو کہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے نماز باجماعت کی سختی سے تاکید فرمائی ہے۔ ہاں اگر مرد صالح و متقی میسر ہو سکے۔ تو امامت کے فرائض وہی ادا کرے۔ ورنہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز روا ہے۔ حتیٰ کہ فاسق و فاجر کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہنچ جائے۔ لیکن اتنا ضروری ہے کہ امام نماز کے ارکان احکام اور قرآن کے اتنی آیات سے واقف ہو۔ جس سے نماز ہو سکے۔
— موزوں پر مسح: —

علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور یہ سنی ہونے کی علامت ہے۔ بحالت قیام ایک دن اور ایک رات تک مسح کر لے۔ اور بحالت سفر تین دن اور تین رات مسح کرتا رہے۔

— مسنیوں کی تین علامتیں: —

تفضیل الشیخین۔ مجتہد الخفیین اور مسح علی الخفین۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ سے بہتر جانتا۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ شیعہ حضرات ان تینوں علامات سے تعالیٰ ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ جو موزوں کے مسح کو جائز خیال کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کو دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ مسافر کو تین رات دن اور مقیم کو ایک دن رات درست ہے۔ آپ نے فوراً دے کر کہا۔ کہ میں نے نبی علیہ السلام سے ایسا ہی سنا ہے۔ ایک دوسری جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر شریعت میں عقل کے قیاس پر حکم ہوتا۔ تو موزوں کے تلے پر مسح کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن شریعت کے حکم کے سامنے موزوں کے اوپر مسح کرنا ہی تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک نشہ کی حالت میں کلمہ کفر سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔

— کاہن اور نجومی کی حیثیت :-

جو کاہن غیب جاننے کا دعویٰ کرے۔ اسے سچا ماننا بھی کفر ہے۔ حدیث پاک میں تصریح موجود ہے۔ کہ جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچا مانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ جس دین کو حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

عرب میں بہت سے کاہن علم غیب کا دعویٰ کرتے تھے۔ جن اور شیاطین انہیں خبریں دیتے تھے۔ نجومی بھی کاہن کی طرح ناقابل یقین شخصیت ہے۔ نجومی کی بات پر یقین کرنا۔ اسے سچا ماننا کفر ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، تو ستاروں کے اثرات۔ آسمان کی گردش۔ موسمی تغیرات۔ سردی گرمی کی کمی بیشی کے اثرات۔ فصلوں اور پھلوں کے پکنے اور دوسرے کاموں پر وارد ہوتے ہوتے ہیں۔ مگر ان چیزوں کی کمی اور بیشی پر سعادت اور نحوست کا قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر بعض مقامات پر فصل کی زیادتی کسی کی سعادت کا ذریعہ بن بھی جائے۔ تو شریعت میں اس سعادت و ترقی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر پہلی شریعتوں میں درست تھا۔ تاہم شریعت محمدیہ نے ان شریعتوں کے احکام کو منسوخ کر دیا ہے۔

— امیدوار رحمت الہی :-

اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے کافروں کے علاوہ کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوتا۔ یہ امید رکھنا ضروری ہے۔ کہ توبہ سے خدا کی رحمت خداوندی گناہوں کو معاف کر دیتی ہے۔ جسٹا رحمت خداوندی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ورنہ اس کے خوف سے بے نیاز ہونا بھی کفر ہے۔ اللہ کے خوف سے محض کافر ہی بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں پر عذاب الہی ہونا ہوتا ہے۔ ان پر ناز و نعمت دنیا کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ یاد خداوندی سے غافل ہو جائے۔ اور مغرور ہو جائے۔ پھر جب اس کی گرفت آتی ہے تو اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

— ایمان و خوف کی اہمیت —

ایمان تو امید اور خوف کے درمیان ہے۔ امید کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگر یہ سن لیا جائے کہ جنت میں محض ایک ہی آدمی داخل ہونا ہے۔ تو یہ امید رکھے کہ میں ہی جنتی ہوں گا اور اگر یہ سنے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص ہوگا۔ تو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں گا۔

سے آہا کہ خواص درگتہ تکریم اند
نومید مشوکہ رحمت حق عام است
دمشنت زوگاں عالم تسلیم اند
مغفور مشوکہ خاصگان درہیم اند
بزرگان دین کا مقولہ ہے۔ کہ زندگی میں خوف خداوندی کا غلبہ ہونا چاہیے۔ لیکن رحلت کے وقت رحمت خداوندی کا امید وار ہونا چاہیے۔ سعادت کی علامت یہی ہے۔ اور الایمان بین الخوف والرتجا میں یہی اشارہ ہے۔ اعلموا ان الله شديد العقاب والله غفور رحيم۔

الحمد للہ یہ کتاب رحمت خداوندی اور امید مغفرت پر ختم ہوا۔

مکتبہ دارالاسطی
کتاب نمبر ۱۹۹
۱۱/۱۱

تکمیل الایمان

تصنیف طیف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
— حواشی —

ایضاً حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرثیہ
— ترتیب و ترجمہ —

پیرزادہ علامہ اقبال احمد قادری صاحب

دار الکتب
کتاب نمبر 291

مکتبہ نمبر ۱۰ گنج بخش روڈ لاہور